

میں حوصلہ کو ڈھونڈھتا ہوں حوصلہ مجھے
میرا خیالِ خام کہاں لے گیا مجھے

جب بھی کوئی پکارتا ہے دیوتا مجھے
بُت بن کے سوچتا ہوں کہ کیا ہوگیا مجھے

عرصہ ہُوا تھا داخلِ دفتر ہوئے جسے
وہ فائل زندگی کا سڑک پر مِلا مجھے

مرعوب ہوگیا ہوں جو فرعونِ وقت سے
اِک اژدھا سا لگتا ہے میرا عصا مجھے

میلے میں زندگی کے تجھے دیکھنے کے بعد
آتا نظر نہیں ہے کوئی دوسرا مجھے

دیکھا جو حافظہ کا سمندر کھنگال کر
ہر موتی اپنی آب کو کھویا مِلا مجھے

برقِ نگاہِ ناز کا گوہر تھا معجزہ
پگ پگ مِلا جو راستہ آراستہ مجھے



موسمِ گُل میں صحنِ چمن میں زُلف کوئی لہرائے تو
ایسے میں پھر کوئی دِوانہ اپنی آنا پر آئے تو

چاکِ قبا کا کیا ہوگا جائے تو جنونِ عشق کہاں
اپنے نِرے دیوانے پن پر خود کو ہنسی آجائے تو

پتھر پتھر لادا اُگلے دھرتی کا دل کانپ اُٹھے
بیکس کی مصلوب خموشی کہنے پر آجائے تو

کس کس نے آواز لگائی تھی دمِ رخصت یاد نہیں
لہروں کی تعداد بھنور میں کاش کوئی گِن پائے تو

ریت کے ٹیلے پر مت بیٹھو خواب اُمنگوں کا بُننے
بچا کچا اِک آس کا تِنکا آندھی میں اُڑ جائے تو

دِل جو کھیلے پیار کی ہولی آنکھ منائے دیوالی
یادوں کے تاریک جزیرے میں کوئی دَر آئے تو

میں بھی اپنی آنکھوں میں اِک درد کا ساگر رکھتا ہوں
کوئی سِسکتا منظر گوہر دل کو ذرا تڑپائے تو



زمیں کے ذرّوں سے جب آفتاب اُبھرتے ہیں
زمیں کو چومنے ہفت آسماں اُترتے ہیں

حسین خواب جہاں ٹوٹ کر بکھرتے ہیں
نظارے اپنے مقدّر پہ ناز کرتے ہیں

حوادث سے جب حوصلے گذرتے ہیں
برائے راہبری راستے سنورتے ہیں

یہہ اور بات ہے سچّائیوں پہ مرتے ہیں
جو رب سے ڈرتے ہیں وہ کب کسی سے ڈرتے ہیں

حسین بولتے پر تولتے پرندوں کے
یہہ ہوتا آیا ہے صیّاد پر کترتے ہیں

اُنہیں کی بات میں کچھ وزن ہوتا ہے گوہر
جو گفتگو میں بڑی احتیاط کرتے ہیں



درد کا حامل بنا اور عشق کا حاصل بنا
آپ کے جلوؤں کے صدقے دل ہمارا دل بنا

اک نیا وعدہ نئے الفاظ کی ترکیب سے
پھر شکار آخر کسی کا یہہ دلِ بسمل بنا

جس کے طوفاں میں انا ہو جس کی موجوں میں خلوص
ریت کا گھر اُس سمندر کے سرِ ساحل بنا

وقتِ سجدہ ذہن و دل میں غیرِ حق کچھ بھی نہ ہو
اپنے ارمانوں کو اپنے نفس کا قاتل بنا

علم کے بازار میں انمول بننا ہے اگر
گوہر اپنے آپ کو اک جوہرِ قابل بنا



فصلِ گُل گُلشن میں بہکائی ملی
رُخ پہ گُل کے مُردنی چھائی ملی

میری حسرت جس کا غم کھائی ملی
ہر نظر اُس پر ہی للچائی ملی

گھر رہائش کا مِلا مضبوط تر
صرف دیوارِ حیا ڈھائی ملی

کیا مشیّت ہے کہ در پر موت کے
زندگانی ہاتھ پھیلائی ملی

کالی کرتوتوں کا شائد ہے ثمر
زندگی بھر تجھ کو رسوائی ملی

گوہر اُن کو انجمن کی انجمن
اور مجھ کو دشت پیمائی ملی



دُکھ، درد، رنج اپنا پرایا سمیٹ لوں
بدلے میں حق کے پھانسی کا پھندہ سمیٹ لوں

کچھ سُوجھتا نہیں ہے کہ میں کیا سمیٹ لوں
نظریں سمیٹ لوں کہ نظارہ سمیٹ لوں

سر میں کسی کے عشق کا سودا سمیٹ لوں
دل میں تجلیّات کا جلوہ سمیٹ لوں

دُنیا کو اصلی چہرہ دکھانے کے واسطے
ہر پُرفریب چہرے سے غازہ سمیٹ لوں

کیا ہو سکے گا مجھ سے قیامت کا انتظار
پل بھر میں ساری عمر کا رستہ سمیٹ لوں

آجاؤں کچھ جو کہنے پہ اے جانِ انتظار
ناز و ادا ہی کیا ہے سراپا سمیٹ لوں

دُنیائے انقلاب کا کیا رنج کیا خوشی
گو ہر رُخِ حیات کا نقشہ سمیٹ لوں



قسمت سے جبکہ شہرِ تمنّا مِلا مجھے
ہر شخص میرے خون کا پیاسا مِلا مجھے

جس جا بھی مال و زر کا تماشہ مِلا مجھے
انسان اپنا رنگ بدلتا مِلا مجھے

تیرا اک ایک چاہنے والا تیرے حضور
اظہارِ مُدّعا کو ترستا مِلا مجھے

درسِ رہِ نجات تھا جس کا ورق ورق
انساں کی شکل میں وہ صحیفہ مِلا مجھے

مجھ کو پرکھنے اور نہ میرا ظرف جانچنے
عہدہ مِلا مجھے کبھی رُتبہ مِلا مجھے

بے مثل تیری یاد ترا ذکر لاجواب
تیرا ہی اِک خیال اچھوتا مِلا مجھے

گو ہر کسی کی چشمِ کرم کام کر گئی
ضبطِ غمِ حیات کا یارا مِلا مجھے



بکھر کے رہ گیا اوراق دل کا شیرازہ
ہُوا مجھے مری بے مائیگی کا اندازہ

بھگت رہا ہے یہ کس کے گنہ کا خمیازہ
گذر رہا ہے حوادث سے ہر گُلِ تازہ

کوئی تو دیکھتا جا کر مکاں کے اندر بھی
کھُلا ہے آج بھی انسانیت کا دروازہ

بنے گی بات نہ کچھ چہرہ کی صفائی سے
لگا ہوا ہے جہاں سارے جسم پر غازہ

ہمارے کان ہی حق سُن نہ پا سکے گوہر
لگانے والا لگاتا رہا ہے آوازہ



جی حضوری کے زمانہ میں بھی خود داری ہے
راکھ کے ڈھیر میں اِک چھوٹی سی چنگاری ہے

اُن کے نظارّہ کا کچھ ایسا نشہ طاری ہے
خواب کا خواب ہے بیداری کی بیداری ہے

جیسے اِک مال بکاؤ ہے کہ بازاری ہے
ہر کوئی عصمتِ حوّا کا خریداری ہے

جس سے کچھ درس مِلے جدّتِ احساس بڑھے
سارے دیوان پہ وہ ایک غزل بھاری ہے

وہاں چپ چاپ ہی رہنے میں ہے وقعت اپنی
بے وقوفی کا جہاں نام سمجھداری ہے

کیا بڑھے حوصلۂ دل کہ جہاں میں گوہر
خدمتِ خلق کا انجام دل آزاری ہے



حرص و ہوس کی شمع جلائے ہوئے ہیں لوگ
بزمِ شبِ سیاہ سجائے ہوئے ہیں لوگ

اپنی صلیب آپ اُٹھائے ہوئے ہیں لوگ
اس دور کے بہت ہی ستائے ہوئے ہیں لوگ

اپنی نجاستوں کو چھُپانے کے واسطے
گھر کس قدر حسین بنائے ہوئے ہیں لوگ

دیپاولی کا جشن ذرا چل کے دیکھئے
دھرتی کو آسمان بنائے ہوئے ہیں لوگ

تحریر مسخ مسخ سبھی فردِ جرم کی
چہرے کھُلی کتاب سے لائے ہوئے ہیں لوگ

پیچھے کی کھڑکیاں تو کھُلی چھوڑ دی گئیں
دروازے سامنے کے لگائے ہوئے ہیں لوگ

گوہرؔ خیال و خواب کی منزل کو چھوڑ کر
اب رفتہ رفتہ راہ پہ آئے ہوئے ہیں لوگ



خود نمائی، خود ستائی، خود سری ہے آج کل
چار سو اک دہریت پھیلی ہوئی ہے آج کل

دیکھتا ہوں میں جدھر بے رہروی ہے آج کل
کون رہبر ہے کہاں کی رہبری ہے آج کل

اے خلیلِ بُت شکن اِک ضربِ لا، اک ضربِ لا
کوچہ کوچہ سر اُٹھاتی آذری ہے آج کل

پھر وہی کرب و بلا کے حادثے ہیں جا بجا
آدمیت خون میں ڈوبی ہوئی ہے آج کل

تیری آنکھوں پر تو خوش فہمی کا پردہ پڑ گیا
تیرا اِک اک کام دُنیا دیکھتی ہے آج کل

رنگ دلکش ہی ہے باقی اور نہ بوئے دلنشیں
ایسا لگتا ہے کہ ہر گُل کاغذی ہے آج کل

گوہر اپنی آہ و زاری کوئی سُنتا ہی نہیں
سوچتا ہوں ہم میں آخر کیا کمی ہے آج کل



جن کو نسبت تھی صرف خوابوں سے
وہ نوازے گئے سرابوں سے

دیکھتا کیا کوئی نقابوں سے
نور چھنتا رہا حجابوں سے

ہو جو کسبِ حلال کا بدلہ
وہ عذاب اچھا کئی ثوابوں سے

ہم نے پایا حقیقتوں کا سُراغ
زندگی کے ادھورے خوابوں سے

کچھ کھنڈر کچھ لُٹے بشر گوہر
لگتے ہیں اَن پڑھی کتابوں سے



تاریک خانقاہوں کے پردے اُٹھا دیئے
دھرتی پہ انقلاب کے سورج اُگا دیئے

ساری فضاء ادب کی معطّر سی ہو گئی
ہم نے زمینِ شعر میں وہ گُل کھلا دیئے

جب بھی بڑھی جفاؤں کی پُر ہول تیرگی
ہم نے جلا دیئے سرِ راہِ وفا دیئے

دے دے کے اپنے وعدۂ فردا کا آسرا
کتنے دماغ تم نے ٹھکانے لگا دیئے

گو ہر شبِ فراق کے ماروں کی خیر ہو
ہم نے دیئے اُمیدِ سحر میں بجھا دیئے



جہاں جہاں بھی مرا تجربوں سے رشتہ تھا
وہاں وہاں میرا احساس سہما سہما تھا

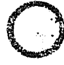
ہزاروں لوگ مرے ساتھ چل رہے تھے مگر
پہنچ کے دیکھا جو منزل پہ میں اکیلا تھا

نیا زمانہ ، نیا حادثہ ، نیا مقتل
تمہاری آنکھ کے آئینہ میں بھی کیا کیا تھا

جہانِ درد میں اُلفت کے قید خانے میں
ہمارا دل ہی سزا یافتہ لُٹیرا تھا

تمہارے جہدِ مُسلسل کے امتحاں کے لئے
قدم قدم پہ مرے عزم کا سہارا تھا

خزاں کے درد کو اُس سے نہ پوچھنا گوہر
بھری بہار میں جو پھول مُسکرایا تھا



عقل کے کام پہ جب دل نگراں ہوتا ہے
آدمی خوگرِ فریاد و فغاں ہوتا ہے

سوئے منزل جو رواں عزم جواں ہوتا ہے
اُس کا ہر نقشِ قدم نور فشاں ہوتا ہے

کسی صورت کسی صورت میں وہ صورت ہے کہاں
میرے محبوب کا وہ حسن کہاں ہوتا ہے

تم نے دیکھا ہے کہاں سرحدِ غم سے آگے
کتنا رخشندہ تحمّل کا جہاں ہوتا ہے

ختم ہوتے ہی نہیں جود و کرم کے چرچے
ظُلم ہر حال میں بے نام و نشاں ہوتا ہے

مانگنا چھوڑ کے حق چھین کے لینا سیکھو
"آج کے دور میں انصاف کہاں ہوتا ہے"

عشق کے شہرِ تمنّا کو نہ پوچھو گوہر
ماورائے حدِ ادراک و گماں ہوتا ہے



زباں میں نرمی، طبیعت میں سادگی رکھنا
ہمیشہ جذبۂ امدادِ باہمی رکھنا

لبوں پہ لاکھ سمندر کی خامشی رکھنا
دل و نگاہ میں طوفانِ آگہی رکھنا

یہاں تو ہارنے والا ہی جیت جاتا ہے
کبھی انا پہ نہ بنیادِ عاشقی رکھنا

اگر یہ جاننا چاہیں کہ کون کیسا ہے
بچا کے دامنِ دل خود کو اجنبی رکھنا

فسانۂ دلِ خانہ خراب کا عنواں
ستم ظریفیٔ احساسِ کمتری رکھنا

یہ لین دین کا دھندا نہیں ہے اے گوہر
کسی سے رکھنا تو بے لوث دوستی رکھنا



جب کوئی چال چل گئے حالات
سارا عالم بدل گئے حالات

تیرے آتے ہی میری آنکھوں سے
اشک بن بن کے ڈھل گئے حالات

جس نے حالات سے بغاوت کی
اس کے گھر سے نکل گئے حالات

اس کا حالات کو بھی علم نہیں
کس طرح، کیوں بدل گئے حالات

دیکھتا رہ گیا فلک گوہر
کتنے سورج نگل گئے حالات



بات دل کی جب کبھی نظروں سے سمجھائی گئی
ہر شکستہ آرزو سولی پہ لٹکائی گئی

دوسرے رُخ کی جہاں تصویر دکھلائی گئی
رہبرانِ قوم کی آنکھوں سے بینائی گئی

محفلِ خلوت ترے جلووں سے گرمائی گئی
مجرمِ اُلفت کی آخر قیدِ تنہائی گئی

کھول کر تالا لبوں کا اور پٹی آنکھ سے
حوصلوں کے پاؤں میں زنجیر پہنائی گئی

دیکھ گوہر باغیوں پہ بارشِ لطف و کرم
عاشقوں سے در بدر کی خاک چھنوائی گئی



یہ دھواں دل سے اُٹھا ہے شاید
درد کچھ حد سے بڑھا ہے شاید

تجھ سے ملتے ہی زمانہ سے میرا
رابطہ ٹوٹ گیا ہے شاید

کوئی خاموش ہے تنہا تنہا
تجربہ تلخ ہوا ہے شاید

پھوٹتی ہیں جو لہو سے کرنیں
قتل خورشید ہوا ہے شاید

شخص کچھ کہتے ہوئے ڈرتا ہے
آج بھی زخم ہرا ہے شاید

ہر نفس بوئے وفا آتی ہے
کوئی پروانہ جلا ہے شاید

سب کے ہاتھوں میں ہے پتھر گوہر
کوئی دیوانہ ہوا ہے شاید



اجنبی بن جائیے یا سازشی بن جائیے
ظالموں کے حق میں اک دردِ سری بن جائیے

جبر و استبداد کے آگے جری بن جائیے
قافلہ سالارِ امن و آشتی بن جائیے

بوئے گل کی جانفزا آوارگی بن جائیے
تازگی گل کی کلی کی تازگی بن جائیے

پھول بن کر رونے دھونے سے تو بہتر ہے یہی
رازدارِ باغ لب بستہ کلی بن جائیے

دل کے دامن میں سمیٹے سارے انسانوں کا درد
اک صدی اور اک صدی کا آدمی بن جائیے

جس کو پڑھ کر آدمی انسانیت کا درس لے
آپ وہ جامع کتابِ زندگی بن جائیے

جس سے گوہر کانپ اٹھے سرمایہ دارانہ نظام
مفلس و بے کس کے لب کی وہ ہنسی بن جائیے



جو نظر شب کی سیاہی میں ضیاء بار لگے
سر پہ عاصی کے لٹکتی ہوئی تلوار لگے

حق کا اقرار لگے درد کا اظہار لگے
شعر وہ جو کسی فنکار کا شہکار لگے

ہاتھ سے تیرے اگر گُل بھی سر دار لگے
کیا بتاؤں کہ مجھے سنگِ گراں بار لگے

تازیانے جو مشیّت کے لگا تار لگے
مِٹ گیا غازہ سیہ چہرے پُر اسرار لگے

بات وہ بات ہے جس بات پہ دل کھِل اُٹھے
بات وہ بات نہیں ہے جو دل آزار لگے

میری آنکھوں میں نظاروں کا فسوں تک نہ رہا
جانے کیوں دل ابھی مانوسِ غمِ یار لگے

جانے کیوں مجھ پہ ہی مرکوز تھیں نظریں گوہر
کیسے کیسے نہ تھے ساماں سرِ بازار لگے



اس طرح کوئی دیدہ ور جاگے
آنکھ سو جائے پر نظر جاگے

جب کبھی چشم معتبر جاگے
بھیگی پلکوں پہ آبِ تر جاگے

تیری یادوں کے ابرِ نیساں سے
صدفِ چشم میں گہر جاگے

ذکر میں تیری ساری رات ہی کیا
جاگنے والے عمر بھر جاگے

اِک اُٹھتی ہوئی نظر سے تری
لاکھوں شر سوئے لاکھوں شر جاگے

میرے قدموں کی چاپ پر گوہر
راہرو جاگے راہبر جاگے



سر ہتھیلی پہ لئے اپنا ہنر ہوتا ہے
یوں بھی اک حادثۂ فکر و نظر ہوتا ہے

جلوۂ حسن جو فردوسِ نظر ہوتا ہے
عالمِ عشق معاً زیر و زبر ہوتا ہے

یہ ابولہب و ابوجہل نے بھی دیکھ لیا
کیسا انسان سے شہرِ جن و بشر ہوتا ہے

کر وفاؤں پہ نظر میری جفاؤں پہ نہ جا
شر سے مربوط جہاں لفظِ بشر ہوتا ہے

چاک ہو جاتا ہے خود دامنِ عصمت گوہر
جب بھی نظارہ گرفتارِ نظر ہوتا ہے



یہ اور بات ہے کہ پڑا کھائیوں میں تھا
یہ بت کو جن پہ رشک تھا اُن رائیوں میں تھا

بلگوائیوں میں تھا نہ تو فسطائیوں میں تھا
مصلوبِ وقت آپ کے شیدائیوں میں تھا

اے بزمِ ناز صورتِ اشعار کر قبول
جو کچھ مرے شعور کی گہرائیوں میں تھا

تم حُسنِ کائنات کے جلوؤں میں کھو گئے
میں کائناتِ حُسن کی پہنائیوں میں تھا

منظر کشی تو پھر بھی مکمّل نہ ہو سکی
تا عمر میں تو رنگ کی بھرپائیوں میں تھا

تم ایسے درمیان میں آئے کہ الاماں!
جو کچھ بھی اختلاف تھا ہم بھائیوں میں تھا

میدانِ موت و زیست کی گوہر خبر کہاں
مصروف میں تو معرکہ آرائیوں میں تھا



ایک جھلک جلوہ جب دکھایا جاتا ہے
چشم و دل کا چین چرایا جاتا ہے

شیطانوں کی فصلوں کی سیرابی کو
انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے

آزادی تو اور کسی کو ملتی ہے
میرے گھر جھنڈا لہرایا جاتا ہے

اس دنیا میں پیار کا پنچھی پنجرے سے
کاٹ کے پر آزاد کرایا جاتا ہے

گوہرؔ امیر کی عظمت جتلانے کو
سورج دھرتی سے بھی اگایا جاتا ہے

نظمیں

صلاحِ عام

نقطہ مرکزِ جلوۂ چارسو کر
شبِ تار سے چاکِ دل کا رفو کر

ہو مقصود گر حکمرانی جہاں کی
سکوتِ شب و مرگ سے گفتگو کر

اِسی عالمِ رنگ و بُو میں نہ کھو جا
نئے عالمِ رنگ و بُو کی نمو کر

نمازِ محبّت کو پڑھنے سے پہلے
طہارت بڑھا خونِ دل سے وضو کر

زمانے کو ہر سازِ دل سے جگا دے
نوا و صدائے خودی خوش گلو کر

اندھیرے میں دل کے بجز نورِ ایماں
نہ ہرگز کسی اور کی جستجو کر

میں گوہر میں رعنائیاں جس ضیاء سے
اُسے کھوجنے کی سدا جستجو کر

نظم بہ عنوانِ غزل



غمِ جاناں، غمِ دوراں، غمِ انساں ہے غزل
جلوۂ اشک فشاں دیدۂ حیراں ہے غزل

لرزشِ ساغرِ مئے ساقیِ رقصاں ہے غزل
لغزشِ مستِ مئے و محفلِ رنداں ہے غزل

قیسِ صحرا کو اگر سنبل و ریحاں ہے غزل
لیلیٔ شب کے لئے شمع شبستاں ہے غزل

داستانِ گل و بلبل گلستاں ہے غزل
ہو اگر قصۂ غم، خانۂ ویراں ہے غزل

قلبِ رنجور کی تسکین کا ساماں ہے غزل
بحرِ تفریح اگر شہرِ نگاراں ہے غزل

نکہتِ گل بھی ہے کانٹے کی کھٹک بھی اس میں
شارحِ سوزِ خزاں، سازِ بہاراں ہے غزل

نقشۂ دشت و جبل آئینۂ بحر و بر
کبھی بارش، کبھی آندھی، کبھی طوفاں ہے غزل

تپش و سوز سے انکار بھلا کون کرے
ضو فشانی میں اگر مہرِ درخشاں ہے غزل

کوئی شعر میں معمولی سی لغزش ہو اگر
قعرِ گمراہی و غارت گرِ ایماں ہے غزل

حتیّ الامکاں ہو تعقید و تعلّی سے گریز
ورنہ اک آفتِ جاں خوابِ پریشاں ہے غزل

ہو سیاست کہ ادب عشق ہو یا مذہب ہو
بہر عنواں رہِ شوق میں رقصاں ہے غزل

لاکھ اشعار ہوں گر مطلع و مقطع ہی نہ ہو
آس اک بوڑھے کی اک بیوہ کا ارماں ہے غزل

برق رفتارئ سیاحئ تخئیل نہ پوچھ
گاہے کربل میں تو گاہے سرِ فاراں ہے غزل

آج تک ہو نہ سکا جس کا علاجِ کامل
عشق وہ درد ہے اور درد کا عنواں ہے غزل

رفتہ رفتہ نہ کہیں چھیڑ دے یہ دیپک راگ
سازِ آوازۂ ققنس میں غزلخواں ہے غزل

دامِ یوسف کے لئے مصر کا بازار بھی ہے
شبِ غم ہائے زلیخا مہِ کنعاں ہے غزل

ناوکِ فہم و فراست ہو تو ماشاء اللہ
مثلِ نخچیرگہِ دشتِ غزالاں ہے غزل

لاکھ دشوار سہی شعرِ مرصع گوہر
سارے اصنافِ سخن میں بہت آساں ہے غزل

زندگی



ہے فقط جہدِ مسلسل زندگی   یعنی اِک ہلچل ہی ہلچل زندگی

رات اک سُنسان جنگل زندگی   دن میں کل پُرزوں کی کل کل زندگی

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے آج رس   دیکھ دکھلاتی ہے کیا کل زندگی

ایک جھرنا، اک ندی، اک آبشار   بے سکوں بے چین بے کل زندگی

پیش کرتی ہے اجل کے روپ میں   سینکڑوں آلام کا حل زندگی

گلستاں میں ہو کہ رزم و بزم میں   تیرے لاکھوں انگ پل پل زندگی

امتزاجِ شادی و غم کے بغیر   ہو نہیں سکتی مکمل زندگی

اہلِ دنیا کیلئے ہے اک مثال   سانپ اور چندن کی صندل زندگی

موت ہے میدانِ بے آب و گیاہ   بادۂ باراں اور جل تھل زندگی

ایک دریا ہے جہانِ رنگ و بو   آدمی مچھلی ہے اور جل زندگی

جس کی دونوں ڈالیاں وصل و فراق   عشق کے اُس پیڑ کا پھل زندگی

اُس کا وعدہ جشنِ تنہائی مرا   مور کی جنگل میں منگل زندگی

موت کہتا ہے اُسے ہر آدمی   جب کبھی بن جاتی ہے دلدل زندگی

تو تو دنیا سے بھی بوڑھی ہو گئی   اب کہاں تجھ میں وہ کس بل زندگی

ساتھ رہ کر بھی ہزاروں سال سے ٭ مجھ کو پہچانی نہ پاگل زندگی

اِک قرارِ نااُمیدی ہے آجل ٭ آس کا لہراتا آنچل زندگی

آدمی ہے زہر، بادہ، شہد، شیر ٭ صاف اِک شیشے کی بوتل زندگی

دشت اور کہسار پر بھی حکمراں ٭ پھول سے بھی نرم کومل زندگی

خود بہ خود آتے ہیں گوہرؔ انقلاب

جب بھی دکھلاتی ہے چھل بل زندگی

اچھا اُستاد



(بچوں کے لئے نظم)

علم و ہنر کی ہیں بنیادیں ۔ اچھے اُستادوں کی باتیں

ادب، سیاست ہمیں سکھاتا ۔ ست گرو اپنے رب سے مِلاتا

ابوالکلام اور گاندھی نہرو ۔ اُستادوں کے علم کی خوشبو

آن بان اور شانِ اِنہی سے ۔ دیش کا ہے کلیان انہی سے

فرض ہے اُستادوں کی عزت ۔ اُن کی خدمت اُن سے محبت

اپنے مجازی باپ کہیں ہم ۔ اچھے بُرے کا ناپ کہیں ہم

اُستادوں کی ساری کہانی ۔ دیش کے ایکتا کی ہے نشانی

بخشا رتبہ عہدہ گوہر

لکھنا پڑھنا ہمیں سکھا کر

اشوک ون میں سیتاجی

(ہندی گیت)

کومل کومل کمل نین میں اُبھرے اُبھرے موتی
نکھر نکھر کر جس کے مکھ سے بکھر رہی تھی جیوتی

رنگ سنہرا روپ روپہرا ایسا کس نے نہرایا
جس کے انگ سنو نشٹھو کی جانے کوئی کیو نکر مایا

سما گئی جس کے بالوں میں اماوسیہ کی اندھیاری
بھرتا جس کے ہنسنے پر تھا نو پربھات کلکاری

میگھ دوت بھیج بالاؤں پر جس کے مکھ پر لالی
پر کرتی جس کے گرہ دوار پر کرتی سدا رکھوالی

اشوک ون کی گودی میں جو رہ رہ اُکسا جاتی
سکل پُشپ کھِل پاتے کنتو وہ کلی نہ کھِل پاتی

رام وِرہنی کے نین سے گنگا یمنا بہتی
وِگھن وِپتی کشٹ کٹھنتا چپ کے چپ کے سہتی

وِدھی کے ہاتھوں سے پایا ہے کیا کوئی چھٹکارا
مایا اپنی آپ ہی جانے جگت کا پالن ہارا

وِرہا گیت

(سجنا رین پڑی اندھیاری)

نیند سے ہیں مورے نین بوجھل
میں بھی پاگل من بھی پاگل
سوتی پڑی موری دُنیا ساری
سجنا رین پڑی اندھیاری

چاند سا مکھڑا جب یاد آیا
تڑپ تڑپ کر من تڑپایا
رو رو تم پر میں بلہاری
سجنا رین پڑی اندھیاری

ساون کی یہہ رین سُہانی
لگتی ہے وِدھوا کی جوانی
تارے ڈوبے یارنی ہاری
سجنا رین پڑی اندھیاری

تورے بن کھوئی ہے سجنا
بیٹھی ہوں گم سم مورے آنگنا
آئی بدریا گھِر گھِر کاری

سجنا رین بڑی اندھیاری

آس کا دامن چھوٹ نہ جائے
پریم کا بندھن ٹوٹ نہ جائے
پران کے انتم پل میں پکاری

سجنا رین بڑی اندھیاری



نیا سویرا



ایک نیا جیون لے کر لو آیا نیا سویرا
سنکل چیراچیر نے اب چھوڑا اپنا اپنا بسیرا

چڑیاں چیں چیں، کوّے کیں کیں سے بڑا سہانا لگے ہے
اَتی سُندر کومل کلیوں کا مَن ہرشت مسکاتا ہے

پگ پگ کَن کَن سورن وِتامرسی لو آ کرنیاں جاگیں
سوریودے کے تیج تاپ سے تراشائیں ڈر بھاگیں

چہل پہل ہے گلی گلی میں بازاروں میں دھوم مچی
ترکاری اور میوؤں کی ہے چاروں اور سیج رچی

پانی لینے آئیں کنوئیں پر مدماتی کنیّائیں
بچوّں کو اب سنان کرانے لگیں دیش کی ماتائیں

متروں سے اب متر ملے چوراہوں پر دربار کیا
کشتی کہیں پر چلنے لگی کوئی ڈنڈ مارا کوئی یار کیا

لاکھوں اَجول دیپ بجھا کر آیا نیا سویرا
پریو رتن سے پُورن جگت میں کیا تیرا کیا میرا

بہ موقعۂ جشنِ سیمیں

یومِ تاسیسِ آندھرا پردیش

تہذیبِ سازِ گنگ و جمن آندھرا پردیش
توسیعِ آندھرا و دکن آندھرا پردیش
خوشبو جدا جدا ہے مگر رنگ ایک ہے
ہے مختلف گلوں کا چمن آندھرا پردیش

یہ آندھرا بھوج کے آٹھ رتن کا پردیش ہے
یہ سروے پلّی رادھا کشن کا پردیش ہے
اس سرزمیں پہ کیوں نہ کریں فخر اہلِ ہند
اَلّوری سے شہیدِ وطن کا پردیش ہے

پندرہ دسمبر اُنّیس سو باون کی بات تھی
قربانی جاں کی پوٹّی سری راملو نے دی
تب اہلِ آندھرا و تلنگانہ نے کہیں
تلگو پردیش، آندھرا پردیش کی بات کی

دورِ عظیم نہرو تھا اک دورِ پُر بہار
یکّم نومبر اُنیّس سو چھیّن تھا سازگار
نیتاؤں کا جو ہوگیا آپس میں اتّفاق
تب آندھرا پردیش ہوا جگ میں آشکار

پردیش کی دو رنگی جو اک رنگ ہوگئی
دو جسم ایک جاں ہوئے باہم خوشی خوشی
پُر کیف پاک وصاف فضائے خلوص میں
لہرا دیا گیا علمِ امن و آشتی

کئی صنعتیں ہیں کانیں ہیں اور کارخانے ہیں
باغات پھول پھل کے یہاں جانے مانے ہیں
بارہ گنا بڑھتی ہے زراعت پردیش کی
پراجکٹ و ڈائم ہیں کہ اُبلتے خزانے ہیں

تلگو زباں یہاں کی اگر لازوال ہے
بے شک یہاں کی اُردو زباں بے مثال ہے
ننیّا، پوتنا بھی ہیں اپنے قُلی، ولی
اس بات پر جہانِ ادب ہم خیال ہے

دیہات کی جو مائیں سُناتی ہیں لوریاں
بچوں کے ساتھ جھُومنے لگتی ہیں کھیتیاں
کانوں میں التفات کا رَس گھُولتی ہوئی
مسجد کی ہیں اذانیں تو مندر کی گھنٹیاں

بھارت کی آن داتا ریاست کہیں اسے
آماجگاہِ خُلق و مروّت کہیں اسے
تہذیب کو ہیں دورِ درخشندہ حال میں
ماضی کی شاندار روایت کہیں اسے

یارب! پردیش اپنا ہو بھارت میں نیک نام
حاصل اس اتحاد و محبّت کو ہو دوام
گوہر کی یہ دُعا ہے ترقّی ہو اس قدر
لیں سب ہمارا نام بصد عزّ و احترام

ہنسنا زندگی ہے
(آزاد نظم)



ادھوری بات ہی جب سارا افسانہ سُناتی ہے
لبوں کی قدر و قیمت بے تحاشہ بڑھتی جاتی ہے
مخاطب کی زباں کو چھین لینا بھی ہے فن لیکن
جہاں میں جانتا ہے کون خاموشی کی سرگوشی
زبانِ حال کیا آنکھیں کہاں تک ساتھ دیتی ہیں
نہ جانے کس تجسس کے سمندر سے سکوتِ بیکراں پایا ہے تم نے
لوء لوء و مرجان پائے ہیں
سمندر گو بذاتِ خود ہے طوفانوں کا گہوارہ
مگر دالوں کا مسکن ہے
تو پھر طوفاں زدہ لمحوں کی بندش میں
رہے گی فکر تو چپ کب تلک دامانِ دانش میں
میں اکثر سوچتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں
کبھی تو قہقہہ مارو کبھی دل کھول کر ہنس لو
برائے صحت خاطر سہی ہنس لو مگر ہنس لو
کہ ہنسنا زندگی ہے

مہاتما گاندھی جی



میں آج بھی سوچتا ہوں اکثر
کہ اک نحیف اور جسم لاغر
کروڑوں لوگوں کے دل کی دھڑکن جو بن گیا تھا
کرشمہ قدرت کا تھا، تقاضہ فطرت کا تھا
کہ ایک انمول ہیرا گجرات کی سرزمیں سے اُبھرا
غریب نادار، بیکسوں کا سہارا لے کر
اندھیری راتوں میں جگمگایا ستارا بن کر
جو افریقہ سے لوٹ آیا
سکھا کے جمہوریت کے معنی
وہ گُل بھی گلشن بھی فصلِ گُل بھی
وہ ساقی وہ میکدہ وہ مُل بھی

اہنسا اور ستیہ کا پجاری
وہ امن اور شانتی کا محور، انسانیت کا پیکر
وہ سارے ہندوستاں کا باپو، جہانِ جمہوریت کا پیکر
فرنگیوں کو بھی جس نے انسانیت کا درسِ وفا دیا تھا

کرا کے آزاد اپنے بھارت کو دم لیا تھا
وہ جس کے ہاتھوں سے حریت کو جلا ملی تھی
نہ جانے موہن کو پھر بھی کس کی نظر لگی تھی
وہ ہندو مسلم کو دونوں آنکھیں سمجھنے والا
جو ہند کی ایکتا پہ تقریر کر رہا تھا
کہ دست ظالم سے گولیوں کا بنا نشانہ
فضائیں چیخیں کہ ایک انسان مر رہا ہے

لبوں پہ ہے رام! تھا بغل میں چھری نہیں تھی
مہاتما کی وہ موت بھی کس قدر حسیں تھی
ہماری آنکھوں میں اشکِ غم آ کے رک گئے ہیں
تیری سمادھی پہ شرم سے سر وفا شعاروں کے جھک گئے ہیں
یہی ہے پشپا نجلی ہماری
یہی ہے شردھا نجلی ہماری
میں آج بھی سوچتا ہوں اکثر
کہ اِک نحیف اور جسم لاغر
کروڑوں لوگوں کے دل کی دھڑکن جو بن گیا تھا
کرشمہ قدرت کا تھا، تقاضہ فطرت کا تھا

نو بھارت

(بچوں کیلئے)



آؤ بچو! مِل جُل کر تعمیر کریں نو بھارت کی
مِٹ جائیں گے غم کے اندھیرے پھیلیں گے اُجیارے
آج کے ننھے کل کے بڑے ہیں بھارت کی قسمت کے ستارے
علم و ہنر سے محنت کر کے روٹی کھائیں عزت کی
آؤ بچو! مِل جُل کر تعمیر کریں نو بھارت کی

بھارت ماتا کی عظمت پر چار چاند لگ جائیں گے
ہنسی خوشی سے جب ہم مِل کر گیت پیار کے گائیں گے
کریں نہ چاہت شہرت کی ہم رکھیں نہ حاجت دولت کی
آؤ بچو مِل جل کر تعمیر کریں نو بھارت کی

رنگ و نسل کے ذات پات کے جھگڑے یکسر مٹ جائیں
ہندوستاں میں امن و آشتی بھائی چارگی پھیلائیں
ذلت کے جینے سے جہاں میں موت ہے بہتر عزت کی
آؤ بچو مِل جُل کر تعمیر کریں نو بھارت کی

اچھائی کو گلے لگائیں بد باتوں سے سدا بچیں
اپنے وطن کی خاطر اپنا تن، من، دھن قربان کریں
نہیں بڑا ہے جس نے بھی مخلوقِ خدا کی خدمت کی
آؤ بچو! مِل جُل کر تعمیر کریں نو بھارت کی

جس دھرتی پر رام، کرشن، بُدھ، نانک، چشتی آئے
گاندھی، نہرو، ابوالکلام سے نیتا راہ دکھائے
کیوں نہ بھلا ہو ہم پر ہر گوہر بارش رب کی رحمت کی
آؤ بچو! مِل جُل کر تعمیر کریں نو بھارت کی



رُباعیات



انساں کبھی یزداں نہیں بن سکتا
بگڑا ہوا ایماں نہیں بن سکتا
انسان تو بن جاتا ہے شیطاں اکثر
شیطاں مگر انساں نہیں بن سکتا



خون کے گھونٹ شبِ ہجر پیا کرتا ہوں
تارِ ہجراں سے دلِ چاک سیا کرتا ہوں
پاس ہوتا نہیں جب کوئی شبِ غم گوہر
دل کو بہلانے ترا نام لیا کرتا ہوں



اک شرحِ زماں ہے زندگانی میری
تفسیرِ غمِ زیست ہے لن ترانی میری
مانا کہ ہے خورشید نفس ذوقِ جنوں
پُر درد ہے شبنم سی کہانی میری





لذتِ غم نہ سہی سوزِ محبت ہی سہی
عشق ناکام تمناؤں کی حسرت ہی سہی
کھو نہ جا کشمکشِ انفس و آفاق میں تو
یہہ مقاماتِ نظر لاکھ حقیقت ہی سہی



ہر حال میں راضی یہ رضا ہوتا ہے
سچ مانئے ساتھ اُس کے خدا ہوتا ہے
افلاس بُرا نہیں کبھی اے دوست
افلاس کا احساس بُرا ہوتا ہے



ہوں لاکھ اگر رنج و الم سہتا ہے
یہہ دل مرا ہر حال میں خوش رہتا ہے
اُس وقت بہت ہوتی ہے تکلیف اِسے
جب جاننے والا بھی بُرا کہتا ہے





مظہرِ جلوۂ خدا ہے ہر شئے
جوہرِ نورِ کبریا ہے ہر شئے
مانا فانی ہے شئے ہر ایک مگر
رہبرِ منزلِ بقا ہے ہر شئے



گُل رُو گیا یا قاصدِ جانانہ گیا
کہ ابھی ابھی جلوسِ شاہانہ گیا
اُٹھتی ہے یہہ کیسی ذرّہ ذرّہ سے مہک
اس راستہ سے کیا کوئی دیوانہ گیا



جو حق کے دیئے ہوئے بل پہ اتراتا ہے
وہ اپنے کئے کی آپ سزا پاتا ہے
پڑتا ہے جو بندگانِ حق کے پیچھے
مثلِ فرعون وہ غرقاب ہوجاتا ہے





شاخِ گُل تر بن کے لچک جاتا ہے
مہکار نہ ہو کر بھی مہک جاتا ہے
بتلاؤں تمہیں عشق کی بابت گوہر
وہ پھل ہے جو لگتے ہی پک جاتا ہے



دامن سے دلوں کے میل دھو کر دیکھو
اخلاص کی باہوں میں سمو کر دیکھو
تعظیم بجا لائے گی ساری دُنیا
اے بھائیو ! ذرا ایک ہو کر دیکھو



اِنسان ہے انسان سے بدظن یارب
ہر گام ہے اخلاص کا مدفن یارب
سینچا ہے جسے خونِ جگر سے ہم نے
ہو جائے نہ برباد یہ گلشن یارب





جب عقل کسی قوم کی کھو جاتی ہے
اُس قوم کی تاریخ ہی سو جاتی ہے
ہوتا نہیں جس میں اتحادِ باہم
وہ نیست و نابود ہی ہو جاتی ہے



کیا پھول کی نکہت بھی کہیں چھُپتی ہے
اِضطرابِ محبت بھی کہیں چھُپتی ہے
گو لاکھ چھُپانے کی ہی کوشش کیجے
دنیا میں حقیقت بھی کہیں چھُپتی ہے



ہے کون جو اس دہر میں بدنام نہیں
شوریدہ سر و تشنہ و ناکام نہیں
اک ایک قدم پر ہیں دھرے سینکڑوں کام
آرام نہیں ہے یہاں آرام نہیں



قطعہ تاریخ انتقالِ پُرملال

استادِ محترم حضرت ناصر علی صدیقی صاحب ناصر کریمنگری



نو (۹) نومبر دوسری شوال کو
روئے بن ہائے رہا جاتا نہیں
محترم استاد ناصر چل بسے
ہم سے گو ہر غم سہا جاتا نہیں

سنہ ۱۹۷۲ء

قطعاتِ تاریخ انتقالِ پُرملال الحاج مولانا محمد عبد الرزاق لطیفی صاحب

امیر جماعت اسلامی حلقہ آندھرا پردیش

قطعہ تاریخ

۱۳۹۵ ہجری

عالم دیں، حاملِ صدق و صفا
واقعی موصوف تھے شعلہ بیاں
یوں کہا "رزاق" کا سالِ وفات
ترجمانِ قوم و ملت اب کہاں

سنہ ۱۳۹۵ ہجری

قطعۂ تاریخ وصال مرشدِ روشن ضمیر قبلۂ محترم حضرت خواجہ سید محمد بادشاہ قادری، چشتی یمنی قدیر رح

بہ فرمائش برادرِ طریقت و استادِ محترم حضرت صابر توکلی شاہین۔

ضروری تشریح:۔ روایت سے ہٹ کر قطعۂ تاریخ میں لفظ آرام کے آ (الف مد) کو الف الف = آ یعنی دو الف مان کر مصرعۂ تاریخ کہا گیا ہے۔



قدیر اللہ یمنی، قادری، چشتی خلیفہ ہیں
جوارِ حق میں زیرِ سایۂ دامانِ مولا ہیں
بہ فیضِ حضرتِ صابر کہی تاریخ گوہر نے
لحد میں بادشاہِ قادری آرام فرما ہیں

۱۳۹۹ ہجری

غم قدیر میں اشکبار
گوہر سنہ ۱۹۷۸ء

قطعہ تاریخ اشاعتِ گلزارِ قدیر بار سوم

مؤلف و مصنف پیر کامل حضرت خواجہ سید محمد بادشاہ قادری چشتی یمنی رح۔ بہ فرمائش برادرِ طریقت صاحبزادہ و جانشین قدیر رح حضرت خواجہ سید ابراہیم شاہ قادری چشتی یمنی بندہ نوازی صاحب قدیری۔



انوارِ بصیرت ہے یہی گلزارِ قدیر
آوازِ ضمیر ہے یہی گلزارِ قدیر
گوہر نے کہی خوب یہ صاحب تاریخ
پیغامِ قدیر ہے یہی گلزارِ قدیر

سنہ ۱۹۷۹ عیسوی

قطعۂ تاریخ وفات محبیٔ معظم، برادرِ طریقت مکرم و اُستادِ محترم حضرت سیّد محمد محی الدین صابر توکلی شاہینؔ کریم نگر



نہیں وہ آج پر لگتا ہے ایسے
یہیں پر ہیں کہیں شاہینؔ صاحب
کہا رحلت پہ یوں ہاتف نے گوہرؔ
چلو خُلدِ بریں شاہینؔ صاحب

سنہ ۱۴۰۲ ہجری

قطعۂ تاریخ وفات

والدۂ ماجدہ حضرت صفورہ بی صاحبہ مرحومہ جنکی جدوجہد اور کاوشوں نے گوہرؔ کو گوہر بنایا



سب کو روتا ہوا چھوڑ کر
سُوئے جنت چلیں والدہ
کہا گوہرؔ نے سالِ وفات
آہ رخصت ہوئیں والدہ

سنہ ۱۴۱۳ ہجری

کتابت کی غلطیاں

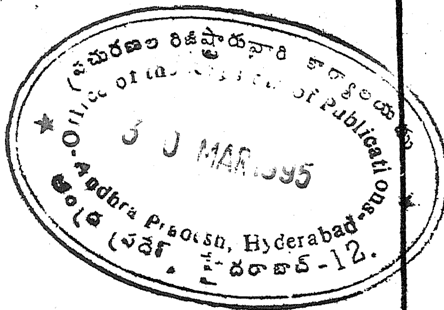
صفحہ نمبر	شعر	مصرع	غلط	صحیح
۳	....	....	مَعنون	مُعنوِن
۱۵	چھٹا	ثانی	جن سے	جن کے
۱۹	تیسرا	اولیٰ	ہیں	ہوں
۲۰	چھٹا	اولیٰ	لوٹتا	کیا لوٹتا
۳۳	پہلا	ثانی	بھی کی کمی	جب بھی
۳۴	دوسرا	اولیٰ	روک	روگ
۳۶	تیسرا	ثانی	سو	کھو
۳۸	ساتواں	اولیٰ	تماتہ	تماشہ
۴۷	چھٹا	اولیٰ	صغیر	صغر سِنی
۶۶	چھٹا	ثانی	اعراب کی کمی	حالِ زارِ دردِ دل
۷۳	پانچواں	ثانی	شراب زہر	شراب و زہر
۷۴	مقطع	ثانی	یہ	پہ
۷۵	پہلا	ثانی	نہ بھول	نہ بھول
۷۹	چھٹا	اولیٰ	اعراب کی کمی	قفسِ حال
۸۲	تیسرا	ثانی	زیاں	زیاں
۸۳	دوسرا	ثانی	لوٹے یوسفؑ	لوٹے یوسفؑ
۸۴	پانچواں	اولیٰ	شمع	شمعِ روشن
۹۴	چوتھا	اولیٰ	حوداث	حوادِث
۹۵	تیسرا	اولیٰ	ابراہیمؑ	براہیمؑ
۹۹	تیسرا	ثانی	مغرور	مفرور
۱۰۳	تیسرا	اولیٰ	پلاتے کا	پاتے کا

صفحہ نمبر	شعر	مصرع	غلط	صحیح
۱۰۸	چوتھا	ثانی	غضناک	غضبناک
۱۰۹	چوتھا	اولیٰ	نکلنے والا	نگلنے والا
۱۱۵	دوسرا	ثانی	گل	گِل
۱۱۶	پہلا	ثانی	ڈھلا	ڈُھلا
۱۱۷	پانچواں	ثانی	مُشتاق	عُشّاق
۱۲۰	تیسرا	اولیٰ	"تو" کا اضافہ	"تو" خارج از مصرع
۱۲۲	چوتھا	اولیٰ	ہوا آتی ہے ...	ہوا ہے آتی
۱۲۷	تیسرا	ثانی	جانِ جاں	جانِ جاناں
۱۲۷	چوتھا	ثانی	طاقِ نیساں ..	طاقِ نِسیاں
۱۳۰	چھٹا	اولیٰ	کھلتا ہے	کُھلتا ہے
۱۳۵	چھٹا	اولیٰ	سے	کا
۱۴۲	تیسرا	اولیٰ	حوادث	حوادثات
۱۵۰	چھٹا	اولیٰ	رنگ	رنگِ دلکش
۱۵۴	چھٹا	اولیٰ	سیکھ	سیکھو
۱۶۴	مطلع	اولیٰ	جلوہ جب	جب جلوہ
۱۶۶	مقطع	اولیٰ	ہیں گوہر	ہیں گوہر
۱۶۷	"	اولیٰ	ہیں کی کمی	بلبل میں
۱۶۹	چوتھا	ثانی	گہہ دشت	گہہِ دشت
۱۷۰	چھٹا	ثانی	آنگ	رنگ
۱۷۴	پہلا بند	تیسرا	سوتی	شوخی
۱۸۸	پہلی رباعی	چوتھا	"کہ" کی کمی	ہے کہ
۱۹۲	پہلا قطعہ ..	دوسرا	شاہین صاحب	شاہین صاحب

پتھر پتھر لاوا

206
1-95.

گوہر کریمنگری ایم اے بی ۔ ایڈ ال ال بی



پتھر پتھر لاوا اُگلے دھرتی کا دل کانپ اُٹھے
بیکس کی مصلوب خموشی کہنے پر آجائے تو

Acc. No. 641

891.4391 G9H

جملہ حقوق بہ حق مصنّف محفوظ



سنہ اشاعت ... ... ڈسمبر ۱۹۹۴ء

اشاعت ... ... بارِ اوّل

نام کتاب ... ... پتھر پتھر لاوا

نام مصنّف ... ... گوہر کریم نگری

سرورق ... ... خان انجم ـ کریم نگر

کتابت ... ... شفیع اقبال

طباعت ... ... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار، حیدرآباد

تعدادِ اشاعت ... ... (۵۰۰) پانچ سو

قیمت: ۶۰ روپے

اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے جزوی تعاون سے شائع کی گئی۔

ملنے کے پتے

- گوہر کریم نگری۔ 802-2-7، کشمیر گڈہ۔ کریم نگر۔ (اے۔پی)
- "مکتبۂ شاداب"۔ ۱۴۷-۵-۱۱ ریڈہلز۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱،
- حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲۔

641

معنون

میں اپنے سرمایۂ سخن کو والدۂ ماجدہ
صفورہ بی صاحبہ مرحومہ و مغفورہ کے نامِ نامی
سے معنون کرتا ہوں کہ جن کی دعاؤں اور
انتھک کاوشوں نے مجھے پروان چڑھایا۔

خاکسار

خاکپائے قدیر ـــــــ گوہر کریمنگری

پتھر پتھر لاوا

شعری مجموعۂ کلام "پتھر پتھر لاوا" دیکھ کر گمان ہوا کہ اس کے ڈانڈے
خالص جدیدیت سے ملے ہوئے ہیں لیکن کتاب کے مطالعہ سے یہ خوشگوار انکشاف
ہوا کہ اس کے شاعر گوہر کریم نگری نے اپنا رشتہ غزل کی مستحکم روایات سے
جوڑ رکھا ہے۔ روایت شکن نہیں ہیں۔ البتہ کہیں کہیں اسلوب بدلنے کی کوشش
کی ہے اور رسمی فرسودگی سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔

تقریباً ایک صدی سے تہذیبِ غزل کی عملداری قائم ہے اور تجربوں
کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک گروہ اس کے قدیم خدوخال قائم رکھنا چاہتا
ہے، دوسرا گروہ جدید تجربات کی روشنی میں اس کا چہرہ مسخ کر رہا ہے
قدیم و جدید کا یہ تصادم اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ انسان کی زندگی۔ لیکن اس
قدیم و جدید کے تصادم کو اگر متوازن مصالحت میں تبدیل کر دیا جائے تو
ایک تیسری صورت نمودار ہوتی ہے جو دونوں کی نمائندہ ہے۔ گوہر کریمنگری
اس صورت کے علمبردار ہیں جنہوں نے غزل گوئی میں متوازن روش اپنائی ہے

یوں تو اس مجموعہ کے شاعر نے کئی اصنافِ سخن کو اپنایا ہے لیکن
زیادہ توجہ غزل پر ہی صرف کی ہے جس کا پس منظر زیادہ تر جدید
شاعری ہے۔ رومانیت اور محبت کوئی نئی کیفیت نہیں۔ اُردو شاعری اس
سے بھری پڑی ہے۔ یہ وہ تجربے ہیں جس سے ہر انسان آشنا ہوتا ہے
محبت جذب کی کیفیت ہے جس میں راحت بھی ہے اذیت بھی۔ وصال

بھی ہے فراق بھی۔ بہار بھی ہے خزاں بھی، سیرابی بھی ہے تشنگی بھی، نشاطِ غم بھی ہے غمِ نشاط بھی۔ یہ مضامین غزل جو غزل کی میراث ہیں ان پر اُن کی گرفت اچھی ہے۔ معاملاتِ غزل پر اپنے تجربات کی تہہ چڑھا کر اس موضوع کو پامال نہیں ہونے دیا ہے۔ انہیں تازگی بھی بخشی ہے اور شگفتگی بھی۔ زیادہ تر انہیں پھولوں کو چُننے کی کوشش کی ہے جو گلشن میں موجود ہیں۔ جہاں جہاں روایتیں تصور میں تبدیلی کی ہے اس کو سلیقہ سے نبھا کر غزل کا مزاج بنا دیا ہے۔

آج کے غزل گو شاعر کو فکری عوامل اور سماجی عناصر کا بھی سامنا ہے۔ ماحول کے ان اثرات کا ردِ عمل یکساں نہیں ہوتا۔ ہر شاعر اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق انہیں برتتا ہے۔ چنانچہ گوہر کریم نگری نے زوال پذیر اقدار پر طنز بھی کیا ہے اور اس کا ماتم بھی کیا ہے۔ انقلاب اور تعمیرِ نو کے نعرے بھی لگائے ہیں جن سے مضامین میں تنوع پیدا ہوا ہے لیکن ان کو موضوعِ فکر بنانے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان کی یہ احتیاط واجبی بھی ہے اور درست بھی کیونکہ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ ترقی پسندی کی دھن میں بہت سے شعراء غزل کے بنیادی تقاضوں سے یکسر منحرف ہو کر فیشن زدگی کا شکار ہو گئے ہیں اور غزل کی معنویت کھو بیٹھے ہیں۔ ان کی کامیاب غزلیں اسی بات کی ضمانت ہیں۔

جہاں تک زبان وبیان کا تعلق ہے جناب گوہر نے زیادہ تر غزل کی مروجہ علامتوں سے کام لیا ہے۔ جہاں نئی لفظیات سے کام لینا پڑا ہے وہاں اُنہیں غزل کے مزاج میں ڈھال لیا ہے۔ ان کی خوش مذاقی نے انہیں لفظی صنعت گری سے دور رکھا ہے۔ غیر ضروری طور پر مرکبات تراشنے کے بجائے اندازِ بیان کی سادگی اور راست گوئی سے کام لیا ہے۔

اس مجموعے کے شاعر نے غزل کے ساتھ نظم، قطعہ، رباعی اور تاریخ گوئی کو بھی اپنایا ہے۔ نظمیں جو پابند اور آزاد نظم کے فارم میں ہیں زیادہ تر قومی موضوعات پہ ہیں۔ ان میں ارتکازِ خیال بھی ہے اور وسعتِ بیان بھی۔ رباعی جیسی مشکل صنف میں بھی کامیاب رباعیاں لکھی ہیں۔

آج شعری مجموعوں کے ہجوم میں گوہر کریمنگری کا یہ شعری مجموعہ "پتھر پتھر لاوا" ایک خوشگوار تاثر پیدا کرتا ہے۔ سب میں شامل ہو کر بھی سب سے الگ ہے۔ گیسوئے سخن سنوارنے والوں میں ان کا نام بھی شامل کیا جائے گا۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ ادبی صفوں میں اس مجموعہ کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ ●●

ڈاکٹر علی احمد جلیلی

"جلیل منزل"
سلطان پورہ۔ حیدرآباد۔ ۲۴

حرفِ اوّل

میں ضلع کریم نگر کے ایک قصبہ مانا کنڈور کے ایک متوسط گھرانے میں بروز دوشنبہ بتاریخ ۷ر نومبر ۱۹۳۹ء پیدا ہوا۔ زندگی کے ہر پہلو کو بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور جانچا۔ زندگی کی پیچ پیچ دیکھی۔ امیروں کی کج روی کے ساتھ ساتھ غریبوں کی بدمستی بھی دیکھی۔ مخلص و پُر فریب رشتہ دار بھی دیکھے۔ شفیق اُستادوں کے ساتھ ساتھ سعادت مند اور سازشی تلامذہ بھی دیکھے۔ الغرض وہ ساری تاریخ پڑھی اور سُنی جو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ پر ہر آدمی کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔

نویں جماعت میں تھا کہ والدِ محترم خواجہ محی الدین صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ صاحبہ معلّمہ تھیں، اُن کے سایۂ شفقت میں پل کر آپ لوگوں کے سامنے کچھ لکھنے اور کہنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ آج دونوں بھی مرحومین ہیں۔ خدائے عزّو جل میرے والدین کو غریقِ رحمت کرے۔ آمین

جب اپنی زندگی کے حسین اور پُر اثر واقعات کو یاد کرتا ہوں تو اپنے آپ کو بھول جاتا ہوں اور جب کرب کی وارداتیں یاد آتی ہیں تو کئی راتیں سو نہیں پاتا۔ حافظہ اس قدر تیز تھا اور بفضلِ ربّی آج تک برقرار ہے کہ اگر اپنی آپ بیتی ۸ر ۹ر سال سے لے کر آج تک سلسلہ وار رقم کروں تو تجربات سے بھری پُری ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ والدہ صاحبہ نے بہ مشکل تمام جماعت دہم تک تعلیم دلوائی۔ علم کی تشنگی نہ بجھ سکی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ایم۔ اے (بی۔ ایڈ) ایل ایل بی۔ ہوں۔ بزرگوں

کی خدمت کرنا، اُن کی صحبت میں رہنا اور اُن سے درس لینا میرا شعار رہا ہے۔ اٹھارہ[۱۸] سال کی عمر میں مرشدِ کامل قبلۂ محترم حضرت خواجہ سیّد محمد بادشاہ قادری چشتی ملتی قدیر[؟] (ہلکٹہ شریف) کے دستِ پابرکات پہ بیعت کی۔ پھر اُنہیں کا ہوکر رہ گیا۔ میری تعلیمی ترقی کی حوصلہ افزائی میں میری شریکِ حیات کا حصّہ بھی ناقابلِ فراموش ہے۔ زمانۂ طالبِ علمی یعنی پندرہ[۱۵] سال کی عمر سے ہی شاعری کا شوق پیدا ہوا۔

اُسی زمانے میں محترم حضرت ناصر علی صدیقی صاحب (مرحوم) کریم نگر میں شاعری کے اُستاد مانے جاتے تھے اور اُن کے ہمعصر اور میرے رفیق و ہمراز برادرِ طریقت حضرت صابر توکّلی شاہین (مرحوم) کو بھی اُستاد کا درجہ حاصل تھا۔ میں نے ان حضرات سے چند غزلیں تصحیح کروائیں اور اُنہیں آج تک اُستاد مانتا ہوں۔ اُس زمانے میں اُستاد کا ادب ملحوظ رکھنا نہ صرف لازمی تھا بلکہ اُن کا ہر حکم سر آنکھوں پر ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ جس لفظ کو جہاں پر کرنا چاہتے پُر کر دیتے اور غیر ضروری لفظ کو خارج از شعر کر دیتے اور بلا شبہ حُسنِ شعر میں اضافہ ہو جاتا، حالانکہ یہ حضرات فنِ شاعری اور بحور سے واقف نہ تھے۔ لیکن اُن کا اوڑھنا بچھونا اُردو تھا اور اُنہوں نے حتی المقدور ادب کی خدمت انجام دی۔

اصلاحِ سخن میں کئی ایک نے مجھ سے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف رسالوں میں میرا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ بزمِ شاہین کریم نگر جس کے ۲۱۰ ماہانہ طرحی مشاعرے کامیابی سے منعقد ہو چکے ہیں۔ نہ صرف اُس کے بانیوں میں سے ایک ہوں بلکہ آج بھی اُس کا معتمدِ عمومی ہوں۔ "اساتذہ انجمنوں" کے مختلف عہدوں پہ کام کر چکا ہوں۔ اُردو اور ہندی کی ترقی و ترویج میں مصروف رہتا ہوں۔ آندھرا پردیش ہندی پرچار سبھا نے میری خدمات کے اعتراف میں گاندھی بھون حیدرآباد میں بتاریخ ۴ ار فبروری ۱۹۸۷ء کو توصیف نامہ کے ساتھ

ایوارڈ عطا کیا۔ ضلع کلکٹر کریم نگر نے بحیثیت "بہترین اُردو شاعر" میونسپل ٹاؤن ہال کریم نگر میں اعزاز سے نوازا۔

ریاستی، بین الریاستی اور کل ہند مشاعروں میں مدعو کیا جاتا رہا ہوں۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے میرا کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ دوردرشن حیدرآباد سے بھی بحیثیت شاعر پیش ہوتا رہا ہوں۔ مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ہر مذہب و ملت کے افراد سے گہرے روابط اور دوستی ہے۔

اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت کے تعلق سے جب بھی سوچتا تو ہزاروں مشکلیں حائل ہوجاتیں اور سمجھتا کہ شائد یہ کام میری زندگی میں محال ہے۔ اُردو اکیڈیمی حیدرآباد کا مشکور ہوں کہ اُس نے میرے مجموعۂ کلام "پتھر پتھر لادا" کی اشاعت کے لئے منظور کیا۔

۱۲ر جولائی ۱۹۹۴ء کو میرے قلب پر حملہ ہوا۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے کرم اور پیر کے صدقہ میں بچ گیا۔ بہ زمانۂ علالت میرے ایک شاگرد رشید عزیزی حفیظ انجمؔ نے جو میری خدمت کی اُسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ دوستوں، شاگردوں اور اہلیان کریم نگر نے جس خلوص سے عیادت فرمائی اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔

میری تصنیف کے سرورق کا ڈیزائن میرے ایک دوست خان انجمؔ صاحب نے بطور نذرانہ پیش کیا۔ میرے شاعر دوست جناب شفیعؔ اقبال صاحب نے اپنی مصروفیات کے باوجود کتابت کی بروقت تکمیل کی۔ کتاب کی پروف ریڈنگ میرے عزیز ترین دوست جناب عزیز بھارتی نے اپنے ذمہ لی، اور اس کی اشاعت میں ہر طرح سے رابطہ بنے رہے۔

"پتھر پتھر لادا" کی اشاعت کے سلسلے میں جناب صلاح الدین نیّرؔ صاحب

کا ہر طرح کا تعاون رہا، اور اُن کی بروقت رہنمائی حاصل ہوتی رہی۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی صاحب نے اپنی گوناگوں ادبی مصروفیات کے باوجود میرے مجموعۂ کلام پر گرانقدر تبصرہ فرمایا۔ میں تہہ دل سے ممنون ہوں۔

کرم پیر ہے اور ماں کی دُعاؤں کا اثر
ورنہ گوہر کبھی گوہر نہیں ہونے پاتا

کریم نگر ۲۴ر ڈسمبر ۱۹۹۴ء

گوہر کریمنگری

حمدِ ربِّ جلیل

تو ہی ربُّ العالمیں ہے تو ہی ربِّ انس و جاں
تیرے آگے سرنگوں ہے ہر زمیں ہر آسماں

کثرتِ مخلوقِ عالم میں تری وحدت نہاں
تیرا جلوہ چارسو ہے ذرّہ ذرّہ سے عیاں

ذکر و فکرِ ' ق ' ' ھُو ' ' ھ ' تیرا امکاں تا لامکاں
کُو بہ کُو صحرا بہ صحرا گلستاں در گلستاں

حمد مجھ سے کیا بیاں ہو تو کہاں اور میں کہاں
قطرۂ ناچیز میں ہوں تو ہے بحرِ بیکراں

گو نہیں پوشیدہ کچھ بھی مردِ حق آگاہ سے
تو ہی بہتر جانتا ہے تیرا رازِ کُن فکاں

صورتیں اربوں ہیں لیکن مِن و عَن ملتی نہیں
واہ کیا کاریگری ہے تیری صنّاعِ جہاں

کھو کے جلوؤں میں ترے ناآشنائے راز ہے
کیا کہے گوہرؔ بتا یارب ترے شایانِ شاں

حمدِ باریٔ تعالیٰ

اے خالقِ عالم ہے ہر شخص گدا تیرا
کیا بھول سکے کوئی احسان بھلا تیرا

مولا تری قدرت کی ہر چیز نرالی ہے
ہر بات نئی تیری، ہر رنگ نیا تیرا

سر کٹنے پہ آجائے یا دار پہ چڑھ جائے
ڈرتا نہیں دنیا سے پابندِ وفا تیرا

خوں دے کے شہیدوں نے سینچا ہے اسے یارب
پھر کیوں نہ رہے باغِ اسلام ہرا تیرا

صورت میں محمدؐ کی اِک نور چمکتا ہے
ہوتا ہے کرم جب بھی مومن پہ خدا تیرا

ہر غم کی دوا تو ہے، ہر حد سے سوا تو ہے
تجھ سے ہی دمِ عیسیٰؑ، موسیٰؑ کا عصا تیرا

ہر شام و سحر گوہر کر حمد و ثنا اس کی
جس ذات نے لکھا ہے قسمت کا لکھا تیرا

نعتِ رسولِ پاک

حق کے پیمبر اُمّت کے سرور صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کی نسبت اللہُ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم

ہر بات جن کی آیتِ قرآں نظروں میں پنہاں جلوۂ یزداں
نورِ مجسّم جسمِ مطہّر، صلی اللہ علیہ وسلم

کیوں نہ زمانہ تن من ہارے جس چاند کے ہوں یہ چار تارے
صدیقؓ و عثمانؓ فاروقؓ و حیدرؓ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن جن پر حق نے اُتارا، محبوب کہہ کر جن کو پکارا
کیا ہو بیاں مجھ سے وصفِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

سامنے جب ہو گنبدِ خضرا کس کو بھلا ہو تابِ نظارا
سوزِ محبت گرمئِ محشر، صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا مرکب براقِ باری، جبرئیل خادم رفرف سواری
آپ کی معراج، معراجِ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ہوں جس کے حامی و سرور اُس کو بھلا ہو کیا خوفِ محشر
جان و دل و دیں، ایمانِ گوہر صلی اللہ علیہ وسلم

نعتِ رسولِ مقبولؐ

جو گلشنِ عمل کے مہکتے گلاب تھے
وہ حلقہ بستِ زلفِ رسالتمآبؐ تھے

اُن کے صحابہؓ حاملِ اُمّ الکتاب تھے
پیچیدہ ہر سوال کا آساں جواب تھے

لاریب شہرِ علم و عمل تھے شہِ اُممؐ
گو بابِ علمِ سرّ و علن بُوترابؓ تھے

جنّت دلا دی شافعِ محشر کی اِک نظر
سچ پوچھئے تو میرے گُنہ بے حساب تھے

خندق، اُحد، حُنین و بدر کا ہی ذکر کیا
ہر کربلائے زیست میں وہ فتح یاب تھے

کِس طرح وصفِ صاحبِ معراج ہو بیاں
جو بارگاہِ ایزدی سے بار یاب تھے

گوہرؔ تھا اُن پہ سایہ فگن دستِ کبریا
جن کی مدد کو شافعِ یوم الحساب تھے

نعتِ رسولِ اکرمؐ

حُسنِ یوسفؑ ہو تمہیں، عشقِ زُلیخا تم ہو
مظہرِ نورِ خدا، روحِ مسیحا تم ہو

چشمۂ جود و سخا، بحرِ کرم بحرِ عطا
موجۂ فکر و نظر، علم کا دریا تم ہو

رہبرِ راہِ بقا، مصدرِ تسلیم و رضا
وجہِ تخلیقِ جہاں رحمتِ مولیٰ تم ہو

شاہِ کونین ہو تم، شاہِ اُمم شاہِ رُسُل
شافعِ روزِ جزا، حق کا نظارا تم ہو

راحتِ قلب و نظر، ساقیٔ کوثر ہو تمہیں
روزِ میثاق کی اک سرمدی صہبا تم ہو

عرش و کرسیٔ و قلم، ارض و سماء کون و مکاں
نام سے جن کے ہیں قائم وہ سہارا تم ہو

گوہرِ خستہ کے ہو مونس و غمخوار تمہیں
رہبرِ قافلۂ ملّتِ بیضاء تم ہو

نعتِ حبیبِ کبریاؐ



اُمّت کے بخشوانے کے ساماں عطا ہوئے
میرے حضورؐ شافعِ روزِ جزا ہوئے

ناداں سمجھ رہے تھے جنہیں بیکس و یتیم
وہ آمنہ کے لال شہِ انبیاء ہوئے

صادق، امین، رحمتِ عالم، شہِ اُمم
دُرِّ یتیم، دافعِ رنج و بلا ہوئے

بازارِ طائف آج بھی بھولا نہیں وہ دن
جس دن لہو لہان حبیبِ خداؐ ہوئے

گوہر تڑپ رہے ہو زیارت کو اس قدر
اے کاش! کیوں نہ سنگِ درِ مصطفیٰؐ ہوئے

نعتِ رسولِ مقبولؐ

اُن کے گر نقشِ پا نہیں ہوتے
رستے آراستہ نہیں ہوتے

آپ جب واسطہ نہیں ہوتے
دل کے دروازے وا نہیں ہوتے

حشر میں اپنا حشر کیا ہوتا
گر شفیع الوریٰ نہیں ہوتے

رحمتُ العالمیں نہ ہوتے تو
لُطف وجود و عطا نہیں ہوتے

آپ کو پا کے خوش جو ہو جائیں
عمر بھر غمزدہ نہیں ہوتے

نام جب تک نہ لیں ترا عُشّاق
قیدِ جاں سے رہا نہیں ہوتے

خاکِ پائے قدیرؔ کو گوہرؔ
جلوے کیا کیا عطا نہیں ہوتے

نعتِ نبیؐ

○

زمیں میں پھیل گئی آسماں میں پھیل گئی
ضیائے نورِ نبیؐ دو جہاں میں پھیل گئی

تمھارا نام گرامی ہے عرشِ اعظم پر
تمھاری بات حدیث و قرآں میں پھیل گئی

براہِ سنجر و کلیر تمھاری خاکِ قدم
اُڑی عرب سے تو ہندوستاں میں پھیل گئی

ہے بکھری بکھری ہوئی لاکھ اُمّتِ مرحوم
کرم ہے اُن کا کہ سارے جہاں میں پھیل گئی

نشست لفظوں کی جو دی عمرؓ نے حضرتؐ کو
رضائے رَب سے بلالی اذاں میں پھیل گئی

نبیؐ کی نعت کے صدقے میں شہرتِ گوہر
عجب نہیں ہے جو سارے جہاں میں پھیل گئی

نعتِ محمدِ عربیؐ



ہے ہدیۂ درود جو شایانِ مصطفےٰؐ
نذرانۂ سلام ہے درشانِ مصطفےٰؐ

ہم تم ہی کیا ہیں زمزمہ سنجانِ مصطفےٰؐ
ہے ربِّ دو جہاں بھی ثناء خوانِ مصطفےٰؐ

ہیں عشرۃُ المبشّرہ یا چار یار ہوں
جنّت مقام ہیں سبھی یارانِ مصطفےٰؐ

جن کے محل حضورؐ نے دیکھے شبِ عروج
اللہ رے مقام محبّانِ مصطفےٰؐ

پیغمبروں نے کی مرے آقا کی اقتداء
کیا ہو بیاں خلاصۂ عرفانِ مصطفےٰؐ

رب ایک لاشریک ہے اور وہ رسولؐ ہیں
ہے شش جہات میں یہی اعلانِ مصطفےٰؐ

ہیں گردشیں جو ٹوہ میں میرے لگی ہوئی
میں بھی ہوں زیرِ سایۂ دامانِ مصطفےٰؐ

بتلاتی ہے یہ آیت "اَسریٰ بعبدہٖ"
ہے عرش تک احاطۂ میدانِ مصطفےٰؐ

کافر کریں گے آرزو "لَو کَانُوا مُسْلِمِین"
مومن کہیں گے کافی ہے ایمانِ مصطفےٰؐ

میں ورد کرتا جاؤں "فَلَا غَالِبَ لَکُم"
اور ہوتی جائے بارشِ فیضانِ مصطفےٰؐ

محشر میں عاصیوں کی شفاعت کے واسطے
کافی ہے اک اِشارۂ سُلطانِ مصطفےٰؐ

دنیا میں آپ سا کوئی پیدا ہوا نہیں
وہ بزرگی، وہ مرتبہ وہ شانِ مصطفےٰؐ

کیا ٹوٹنا کڑے سے کڑے امتحاں میں بھی
طئے پایا رب کی مرضی سے پیمانِ مصطفےٰؐ

ہمدردیاں، عنایتیں، بخشش، کرامتیں،
گوہر یہی ہیں خاصۂ خاصانِ مصطفےٰؐ

غزلیات

گردشِ غم بھی لئے آتی ہے پیچھے پیچھے
جب آتی ہے تو آتی نہیں مشکل تنہا

کشتیاں، لاشوں کے پتوار، سمندر کا سکوت
دیکھنے کے لئے بس رہ گیا ساحل تنہا

روشنی بخشی ہے جل جل کے پتنگوں نے بھی
صرف اک شمع نہیں زینتِ محفل تنہا

دوستی لہروں کی گوہر کبھی راس آنہ سکی
لاکھ کھا کھا کے تھپیڑے رہا ساحل تنہا



یہہ چشمِ نم غلط کہ نگاہِ کرم غلط
کیا بات ہے کہ ہم پہ ہے مشقِ ستم غلط

یہہ روک عمر بھر کا کہیں چھوٹتا بھی ہے
مانا کہ اعتبارِ وصالِ صنم غلط

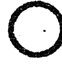
اہلِ نظر کے واسطے جلوہ کہاں نہیں
ہر سر بہ سر تعینِ دیر و حرم غلط

ساری خدائی گھوم کے یہہ تجربہ ہُوا
کوئی بُرا نہیں ہے اگر ہیں تو ہم غلط

تخریبِ گلستاں کا سماں آکے دیکھئے
کس طرح کر رہے ہیں یہہ دیوانے غم غلط

ساقی کے حسبِ ظرف پلانے کی داد دے
ناداں! فریب خوردگیٔ بیش و کم غلط

غیروں کی بات چھوڑیئے ٹھہرے وہ غیر ہی
گو ہر ہمارے دوست بھی کیا کچھ ہیں کم غلط



یوں ہی ٹھہرایا گیا دیکھئے گردن زدنی
ہائے لے آئی کہاں مجھ کو میری کم سخنی

اپنے ہر کرب مسلسل کو مشیت جانا
پاسِ ایفائے عہد دیکھئے اللہ غنی

ہائے وہ وحشت دل عالم خلوت کا جنوں
کون سمجھائے زمانے کو غریب الوطنی

مال و اسباب تو کیا جان بھی دیدیتے ہیں
جن کے سینے میں ہو اک جذبہ حب الوطنی

دوست بھی اپنی نگاہوں سے گرا دیتے ہیں
ٹھیک ہوتی نہیں اے دوستو! پیماں شکنی

عشق کا اک نیا دستور مرتب ہوتا
کاش! بے چارہ کو راس آتی اگر کوہکنی

قید ہستی ہو کہ آزادیٔ فطرت گو ہر
چھوٹتی بھی ہے کہیں عشق کی ناوک فگنی



جو خوش نصیب آپ کے جلووں میں کھو گیا
ساری مصیبتوں سے وہ آزاد ہو گیا

آنکھوں کے سامنے سے وہ نظّارہ جو گیا
تارِ نفس میں پیار کے موتی پرو گیا

جس نے اندھیری راتوں کو بخشی تھی روشنی
وہ چاند آج کونسی وادی میں سو گیا

آنکھیں ہیں نم تو جنگ کے شعلے ہیں سرد سرد
کیا کوئی بھیشم تیروں کے بستر پہ سو گیا

ہم دیکھتے ہیں ذہنیتیں آج بھی وہی
کہتے ہیں لوگ دورِ غلامانہ تو گیا

تا کہ بقدرِ ظرف زمانہ میں بانٹ دوں
ساغر میں میرے علم کا دریا سمو گیا

گوہر مسافرانِ محبّت کے واسطے
ہر گام رنگ و نور کے میں بیج بو گیا



ثباتِ محفلِ ہنگامۂ وہم و گماں کب تک
فریبِ کہکشاں کب تک، طلسمِ مہ وشاں کب تک

ترے عزمِ سفر کو منزلیں آواز دیتی ہیں
تلاشِ خضرؑ میں آخر رہے گا سرگراں کب تک

قریبِ آشیاں آ ہی گئی آتش گلستاں کی
ارے او سونے والے اٹھ، ترا خوابِ گراں کب تک

شعورِ فکر و فن ہے تو زمانے کو بدل ڈالو
کرو گے انتظارِ انقلابِ آسماں کب تک

لئے جذبِ خلیلی کود جا آتش میں باطل کی
اے رہ گیرِ جنوں اندیشۂ سود و زیاں کب تک

اٹھو سر سے کفن باندھو حقیقت اپنی منوالو
وفاداری کا یوں دیتے رہو گے امتحاں کب تک

عمل کے دَور میں نعروں سے کچھ حاصل نہیں گوہر
سُنے گی یہ نئی دنیا پرانی داستاں کب تک



جب کبھی حد سے گذر جاتے ہیں لوگ
در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں لوگ

خوش نہ ہونا خود فریبی میں کہیں
جان کر بھی دھوکا کھا جاتے ہیں لوگ

تیرگی کو بہر تسکین انا
روشنی کا جامہ پہناتے ہیں لوگ

لاکھ کیجے پردہ پوشی کی سعی
حق بہ ہر صورت سمجھ جاتے ہیں لوگ

غیبتوں کا اپنے سر لے کر گنہ
آپ کا آئینہ دکھلاتے ہیں لوگ

چلتی پھرتی لاشیں آتی ہیں نظر
زندگانی کو ترس جاتے ہیں لوگ

بیچ کر اپنی خودی گوہر سدا
مختلف دھاروں میں بہہ جاتے ہیں لوگ



رہِ جنوں میں جہاں تیرا ذکر کرتا ہوں
پکار اٹھتا ہے ہر ذرّہ میں ہی لیلیٰ ہوں

میں جلوہ گاہ بھی، جلوہ نما بھی، جلوہ بھی
نگار خانۂ عالم میں اک عجوبہ ہوں

جِلو میں سینکڑوں غم ہائے رسم و راہ لیے
تصوّرات کے خلوت کدہ میں رہتا ہوں

اٹوٹ ربط ہے اُن کا مِرا کہ اُن کے لئے
وفا کی جانچ کا اِک بہترین آلہ ہوں

نہ آئے حرف کہیں تیری دستگیری پر
اِدھر بھی ایک نظر میں بھی تیرا بندہ ہوں

مجھے سمجھنے کی کوشش کریں تو بہتر ہے
ندائے وقت ہوں، انصاف کا تقاضہ ہوں

اُٹھایا جاؤں نہ جانے بُری طرح کس وقت
اسی لئے تری محفل میں سہما سہما ہوں

بتاؤں کیا تمہیں آخر علاجِ تشنہ لبی
میں خود ہی سینکڑوں دریائیں پی کے پیاسا ہوں

کرشمہ سازئ تہذیب تو معاذ اللہ
خود اپنے شہر میں اک اجنبی سا لگتا ہوں

زمانہ کہتا ہے دل کی لگی جسے گوہر
میں آج کل تو محض دل لگی سمجھتا ہوں



کیا خاک ہوں مطالعے دل کی کتاب کے
اوراق لاپتہ ہیں جگر سوز باب کے

ہر سانس پر میری مجھے ہوتا ہے یہ گماں
آتا ہو جیسے کوئی قدم داب داب کے

گنتی مرے گناہوں کی ہر وقت کم رہی
قربان جائیے کرمِ بے حساب کے

ہر دور کو ہمیں سے نئی روشنی ملی
ہم رہنما رہے ہیں ہر اک انقلاب کے

گوہر کسی کا نور جو آنکھوں میں بس گیا
جلوے حسیں ہیں خواب سے تعبیرِ خواب کے



میری ٹھوکر کے ہیں انداز نرالے کتنے
ذرّہ ذرّہ سے اُبھر آئے شِوالے کتنے

کھا گیا قہرِ فلک نازوں کے پالے کتنے
کھو گئے شب کے اندھیروں میں اُجالے کتنے

نہ کھُلا ہے نہ کھُلا ہائے درِ گنجِ خفی
دستکِ اِدراک سے کھولے گئے تالے کتنے

خواہشِ جلوۂ جاناں تو سبھی رکھتے ہیں
دیکھنا یہہ ہے کہ ہیں دیکھنے والے کتنے

ٹوٹ جاتا ہے جہاں سدِّ سکندر کا بھرم
سامنے جہدِ مُسلسل کے ہمالے کتنے

تیرے اِکرام کے چرچے تو ہیں گلشن گلشن
صحرا صحرا ہیں ترے دیش نِکالے کتنے

اُف! شب و روز کی محنت کے صِلے میں گوہر
دستِ مزدور پہ دیکھے گئے چھالے کتنے



جب بھی آزمائش میں ہم نے خود کو ڈالا ہے
کیا بتائیں دنیا نے کس قدر اُچھالا ہے

تجھ سے گر نہ مانگوں تو کس سے مانگوں بتلا دے
تیرے ماسوا آخر کون دینے والا ہے

اپنی اپنی منزل پر اپنی اپنی نظروں میں
دل ہی ایک کعبہ ہے دل ہی اِک شوالا ہے

ہے عبث یہ خوش فہمی اپنی قافلے والو
کون کس کا منزل تک ساتھ دینے والا ہے

اُن کی خوئے خود بینی میرا ذوقِ نظّارہ
وہ بھی لامحالہ ہے یہ بھی لامحالہ ہے

وقت کے تقاضے پر اپنی آستینوں میں
کچھ حسین سانپوں کو مصلحت نے پالا ہے

اپنے دیدہ و دل کو کاٹ کاٹ کر گوہر
ہم نے قربِ منزل کا راستہ نکالا ہے



جہاں میں جو بھی آئے بن کے لقمۂ اجل گئے
فقیہہ و شاہ و کج کلاہ و صاحبِ عمل گئے

خرد تو راستوں کے پیچ و خم کو سوچتی رہی
جنہیں جنونِ منزلِ حیات تھا نکل گئے

سبو وہی ہے مئے وہی ہے ساقیٔ ازل وہی
رہِ طلب میں میکشوں کے طور ہی بدل گئے

سبق فنا کا زلزلوں سے سیکھیں صاحبِ دول
جو ایک جھونپڑی گئی تو سیکڑوں محل گئے

جہاں کبھی اپنی راستبازی معجزہ دکھا گئی
ہزار دوست خوش ہوئے ہزار دوست جل گئے

وہی قرآں وہی حدیث رب وہی وہی رسول
مترجموں مفسروں کے نظریئے بدل گئے

خوشا کہ نورِ حق نے گوہر اپنی رہنمائی کی
شبِ سیاہ میں جہاں جہاں قدم پھسل گئے



تو جو کہتا حرم و دیر و کلیسا لیتے
دے کے سر اہلِ جنوں کعبہ کا کعبہ لیتے

ساری دُنیا کی تکالیف میں حصّہ لیتے
ہم سے فیاض طبع کس سے بھلا کیا لیتے

چھوڑ کر عیش جو فن کا یدِ طولیٰ لیتے
اپنا لوہا یہ عرب آج بھی منوا لیتے

میرے اپنوں نے جہاں تک بھی مرا ساتھ دیا
حادثے آئے وہاں تک مرا پیچھا لیتے

سر اُٹھا کر جنہیں کچھ بھی نہ ملا ہلو گوہر
سر جھکاتے جو ادب سے تو خُدا پا لیتے



یہہ کیسی ہوا آج زمانہ میں چلی ہے
ہر سمت ہراسانی ہے بے راہ روی ہے

اُترے ہوئے چہروں سے ملاقات ہوئی ہے
کیا پیار ہے، کیا خُلق ہے، کیا زندہ دلی ہے

خود مجھ سے مرا سایہ بھی کترانے لگا ہے
شائد کہ مرے دل میں محبّت کی کمی ہے

فطرت کا تقاضہ ہے کہ ہر راز اُگل دوں
حالات یہہ کہتے ہیں کہ خاموشی بھلی ہے

ہر چیز کی افراط ہے اِس دور میں گوہر
بس اِک کمی احساس کی محسوس ہوئی ہے



جب بھی تاریخ لکھو ؛ چہرۂ وقت پڑھو

جرمِ غیبت نہ کرو ؛ حق سدا مُنہ پہ کہو

گھُپ اندھیرے میں سدا ؛ رُوسیاہی سے بچو

ہوگی تعمیر کبھی ؛ سنگِ بنیاد رکھو

مصلحت سے کبھی کبھی ؛ ساتھ دُنیا کے چلو

اپنی عزّت کے لئے ؛ وقت کی قدر کرو

خوب ہے مشقِ سُخن ؛ کچھ نئی بات بھی ہو

گوہر نور فشاں

کچھ تو اس دور کو دو



(ذوالقافیتین)

نقاب رُخ سے ذرا آپ گر اُٹھالیں گے
ہم اپنے سر ہی قیامت کی ہر سزا لیں گے

جو امتحان بہ میدانِ کربلا لیں گے
تمہارے نام کی عظمت کو سر کٹالیں گے

تصوّرات کی منزل بہت ہی دُور سہی
تِرے خیال کو ہم ہمسفر بنالیں گے

نہ آسکو تو نہ آؤ مگر خبر کر دو
غریب اپنا چراغِ سحر بجھالیں گے

خود اپنے حال پہ آئی ہوئی ہنسی نہ رُکی
کِسے خبر تھی بھلا وہ اثر چُرالیں گے

شبِ فراق کے مارے دمِ سحر آخر
تمہاری یادوں سے برباد گھر بسالیں گے

تماشہ دیکھنے آئیں گے وہ بھی اے گوہر
تمام قصۂ غم دار پر سُنالیں گے



لیلئ شوخیِ حیات گئی
جلوہ گاہِ تجلّیات گئی

زندگی کی حسین رات گئی
حُسنِ دوشیزگی کی بات گئی

بہ سرِ عام ہے نظر بازی
رسمِ حُسنِ تکلّفات گئی

وہ جُنوں ہی رہا نہ جوشِ جُنوں
شوخیٔ حُسنِ کائنات گئی

کون سر پھوڑے گا تیشہ سے
وہ زمانہ گیا وہ بات گئی

تجھ کو پا کر اے شاہدِ رعنا
لذتِ رہِ تجربات گئی

ہے یہی درسِ ہر نفس گوہر
اک حیات آئی، اک حیات گئی



ہر گردشِ ایّام کو سینے سے لگا لو
یا خود کو زمانہ کی سیاست سے بچا لو

پُر کیف تھی بے شک وہی راتوں کی سیاہی
دِل ڈوب گیا تم سے او لے نورِ اُجالو

پہچانے نہیں جاتے ہیں جانے ہوئے چہرے
کس درجہ پریشان ہیں اندازہ لگا لو

پابندئ اخلاق کا آتا ہے زمانہ
اے وقت کے دیوانو ابھی شور مچا لو

مِٹ جائے نہ دنیا سے کہیں نامِ وفا آج
لو مجھ سے سرِ دار بھی اِک عہدِ وفا لو

چھپتی ہے کہیں سُرخئ خونِ شُہدا بھی
افسانہ کو تم کتنا ہی رنگیں بنا لو

مخلوق سے گر جذبۂ اخلاص ہو گوہر
آنکھوں سے ذرا پردۂ تفریق اُٹھا لو



جب بھی نمازِ عشق کی ہم آرزو کریں
صہبائے چشمِ یار سے اے دل وضو کریں

ممکن نہیں وجود کی معراجِ آب و گِل
جب تک نہ پاک جسم کا اِک اِک عضو کریں

تارِ نفس کو چھیڑ کے مضرابِ سوز سے
ذکرِ حبیب جب بھی کریں با وضو کریں

ہر انقلابِ تازہ میں تعمیر تو ہے دوست
چاکِ سکوتِ دہر نہ ہرگز رفو کریں

وہ جوشِ ابرِ رحمتِ باری نہ پوچھیئے
ہم جوں ہی وِردِ آیتِ "لاتقنطو" کریں

شہرہ ہو لاکھ حلقۂ احباب میں تو کیا
انسان وہ ہے جس کی ستائش عدو کریں

گوہر برائے خدمتِ خلقِ خدا سدا
کوشش کریں، جہاد کریں، جستجو کریں



سوزشِ حسرتِ ناکام لیے پھرتے ہیں
کاوشِ تشنۂ انجام لیے پھرتے ہیں

(ق)

اپنی بربادی کا احساس تجھے ہو کہ نہ ہو
دربدر ہم تو ترا نام لیے پھرتے ہیں

تیرے دیوانے اُلٹ دیں نہ بساطِ ہستی
سر ہتھیلی پہ سرِ عام لیے پھرتے ہیں

نالۂ نیم شبی محشرِ غم ہائے فراق
ایک کہرام ہی کہرام لیے پھرتے ہیں

بہرِ تسلیم و رضا پیکرِ ناموسِ وفا
اپنے سر سینکڑوں الزام لیے پھرتے ہیں

زخم خوردہ دلِ عُشاق پہ اے شیخ نہ جا
مسندِ حسنِ دلآرام لیے پھرتے ہیں

کیا غضب ہے تشنۂ اُلفت کے یہ پیاسے گوہر
ہاتھ پھیلائے تہی جام لیے پھرتے ہیں



زیبِ گلو ہو زُلفِ مُعنبّر نصیب سے
پھر دیکھئے گا عشق بھی اپنا صلیب سے

ہیں چلتی پھرتی لاشیں یا بے بس مجسّمے
یا گاہ گاہ گھومتے سائے مہیب سے

تسکینِ جذبِ عشق نہ ہو تو فضول ہے
نظّارہ کوئی دُور سے ہو یا قریب سے

اُن کی شبیہ آنکھوں میں لہرائی اس طرح
گزری ہو جیسے ایک قیامت قریب سے

گوہرؔ مرا یہ طرزِ طلب بھی عجیب ہے
میں مانگتا ہوں اُس کو اُسی کے حبیب سے



نہ گھبرا کشتیٔ اُمید دریا کے تلاطُم سے
نکھر آتا ہے آہن تیشۂ پیہم تصادم سے

عزیزو! ساقیٔ روزِ ازل کا معجزہ دیکھو
صدائے "قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدْ" آتی ہے ہر قُم سے

صدائے بُوم ویرانوں میں جیسے زیب دیتی ہے
کبھی اشعارِ بے معنیٰ بھی چلتے ہیں ترنُّم سے

سُکوتِ بحر سے طوفاں ہی بہتر ہے بسا اوقات
کسی جاہل کی تھپّڑ ٹھیک ہے عالِم کی گُم سُم سے

جہاں میں حلقہ بستِ نُورِ خورشیدِ رسالت ہوں
کہاں بہلے گا میرا دِل ضیائے ماہ و انجُم سے

پتہ دیتی ہے بُوئے عِطر اپنی اصل کا گوہر
سمجھ سکتے ہیں تہذیبِ بشر طرزِ تکلّم سے



عہدہ سے نہ رتبہ سے نہ دولت کے اثر سے
دل جیت لئے جاتے ہیں اُلفت کی نظر سے

عاشق کا تصوّر ہو کہ شاعر کا تخیّل
پوشیدہ کوئی شئے نہیں اصحابِ بصر سے

اک حشر ہے، اک حشر ہے، اِک حشر سراپا
دیکھا نہ کرو تم کبھی دُزدیدہ نظر سے

سُنتا ہوں کوئی آہ تو ہوتا ہے یہ محسوس
نِکلا ہو جنازہ کسی مظلوم کے گھر سے

انسان تو انسان ہیں اِس دَور میں گوہر
شیطان بھی گھبراتا ہے اِنسان کے شَر سے



میرا وجود مصدرِ کُل کائنات ہے
رقصاں نفس نفس پہ شعورِ حیات ہے

نا آشنائے دردِ محبّت ہو دل اگر
وہ دل نہیں ہے اصل میں لات و منات ہے

شاہی گدائی اور براہیمی آذری
اے دوست اپنے اپنے مقدّر کی بات ہے

میرا جنوں ہے پردہ درِ خلوتِ وجود
میری نگاہ آئینۂ شش جہات ہے

جن کی اِک ایک سانس ہے تفسیرِ "مَنْ عَرَفْ"
گوہرؔ اُنہیں کے دم سے یہ کُل کائنات ہے



خیال و ذہن میں بھولی سی داستاں کی طرح
نقوش اُبھرے ہیں کچھ یادِ رفتگاں کی طرح

حصولِ منزلِ مقصود کی لگن ہے جنہیں
رواں دواں ہیں وہ رودِ رواں دواں کی طرح

وہ گلستانِ تخیّل پہ چھائے رہتے ہیں
کبھی بہار کی صورت کبھی خزاں کی طرح

نہ چھوڑ صفحۂ ہستی پہ نقشِ پائے غلط
نشانِ رنج و الم، فکرِ رائیگاں کی طرح

قدم قدم پہ قدم پھونک کر رکھتا
ہے ذرّہ ذرّہ یہاں ناوک و سناں کی طرح

صغیر سنی کی یتیمی و ضُعف کا افلاس
ہے آدمی کے لئے مرگِ ناگہاں کی طرح

وہ جس کا قافلہ راہوں میں لُٹ چکا گوہر
جہاں میں زندہ ہوں اُس میرِ کارواں کی طرح



ہر رنگ میں کامل ہے تو اۓ دلِ مستانہ
تو ساقی و میخانہ تو میکش و پیمانہ

کس جا تجھے لے جاؤں اۓ جرأتِ رندانہ
ہر جا وہی جلوہ ہے کعبہ ہو کہ بت خانہ

دھوکہ نہ کہیں کھاتا اۓ ہمّتِ مردانہ
ہر شوخ نظر کا ہے اندازِ مسیحانہ

اۓ ذوقِ جنوں پرور اِک ضربِ کلیمانہ
مائل یہ کشاکش ہے ہر ذرّہ حریفانہ

اس عشق کی بستی میں اۓ گوہرِ یکدانہ
مقصودِ عبادت ہے طوفِ درِ جانانہ



جب کبھی مشکل سے اک دو لفظ کہہ پاتا ہوں میں
جانے کیوں خاموش فوراً کر دیا جاتا ہوں میں

کوئی بتلا دے خدارا زندگی کی راہ میں
ٹھوکریں کھاتا ہوں یا ٹھکرا دیا جاتا ہوں میں

جب سے اس میخانۂ دل میں وہ آکر بس گئے
بے خودی میں بھی خودی کی لذتیں پاتا ہوں میں

منفرد فطرت ہے میری، رنگ بھی مخصوص ہے
پھر بھی اس دنیا کے ہر سانچے میں ڈھل جاتا ہوں میں

تیرے گوہر پر تری چشمِ عنایت ہو نہ ہو
یہ بھی کیا کم ہے جہاں میں تیرا کہلاتا ہوں میں



جو انقلاب غریبوں کے گھر میں پل نہ سکا
وہ راہ و رسمِ زمانہ کبھی بدل نہ سکا

اُسے رُموزِ محبت سے آگہی نہ ہوئی
جو سر کے بل تری دہلیز تک بھی چل نہ سکا

وہ عشق کیا کہ نہ ہو جس سے نار بھی گلزار
وہ حُسن کیا؟ کہ جسے دیکھ دل مچل نہ سکا

دیارِ حُسن میں رکھنا سنبھل سنبھل کے قدم
یہاں گرا جو کوئی عُمر بھر سنبھل نہ سکا

بدل کے رہ گیا گو ہر اِک اِک بُتِ آذر
مگر مزاجِ خلیلِ خُدا بدل نہ سکا



اَے سوزِ دل زرا بتا لمحۂ انتظار میں
یہ کیسی آگ جل اُٹھی دامنِ تار تار میں

پاس و لحاظِ ضبط سے اظہار ہو نہ ہو مگر
سارا جہاں ہے مبتلا گردشِ روزگار میں

بڑھ کے جنوں نے پالیا منزلِ زیست کا نشاں
عقل اُلجھ کے رہ گئی نکتۂ نور و نار میں

دستِ سوال چھوڑ کر دامنِ قلب کر وسیع
دیکھ لے پھر کمی ہے کیا رحمتِ کردگار میں

کیسا یہ ہائے بے طلب برقِ نظر کا معجزہ
سارا چمن اُجڑ گیا گھر بھری بہار میں



جہاں عاشق نظارہ باز ہوں گے
وہاں معشوق بھی طنّاز ہوں گے

خرد کی منزلوں کو طے تو کر لو
جنوں کے راستے آغاز ہوں گے

نقوشِ لغزشِ پائے محبت
جنونِ عشق کا اعجاز ہوں گے

مرا منہ بند بھی کر دے زمانہ
مگر تارِ نفس کے ساز ہوں گے

وہاں آوازِ حق گونجے گی میری
جہاں تم گوش بر آواز ہوں گے

پرِ جبریل بھی رک رک کے آگے
زمینِ منّتِ پرواز ہوں گے

میں ہو جاؤں اگر خاموش گوہر
جہاں کے ساز بے آواز ہوں گے



یہہ نہ سمجھا تھا محبّت بھی مصیبت ہوگی
آفتِ جاں بھی قیامت پہ قیامت ہوگی

عشق کی منزلِ اوّل تھی فقط میری فنا
سوچتا تھا یہی معراجِ محبّت ہوگی

دل میں اِک درد لیئے جذبۂ ایثار لیئے
جس طرف دیکھیں محبت ہی محبت ہوگی

چشمِ بینا کے لئے مرحلۂ زیست ہے موت
زندگی راہِ حجاباتِ حقیقت ہوگی

کس کو فرصت ہے غمِ گردشِ ایّام سے یاں
آپ ہی آیئے جب آپ کو فرصت ہوگی

ہم بھی دکھلائیں گے کچھ اپنے کرشمے گوہر
اپنی جس وقت زمانہ کو ضرورت ہوگی



کسی کا اب کوئی ہمدم نہیں ہے
دلوں میں جذبۂ باہم نہیں ہے

جہاں دم توڑ دے جہدِ مسلسل
وہ لمحہ موت سے بھی کم نہیں ہے

خوشی پلتی ہے دامانِ الم میں
خوشی ہے ہی نہیں گر غم نہیں ہے

مرے پُر سوز سینے میں سلامت
ترا غم ہے تو کوئی غم نہیں ہے

لو! یوں بھی کر گیا خوش آج سب کو
کسی کی موت پر ماتم نہیں ہے

یہاں ہر شئے ہے پُر اسرار گو ہر
کوئی ہنگامہ بے ہنگم نہیں ہے



جہاں میں اہلِ نظر ہر نظر کو دیکھتے ہیں
کم آدمی کو زیادہ ہنر کو دیکھتے ہیں

جب اُن کی حُسن پہ نازاں نظر کو دیکھتے ہیں
نگارِ مجموعۂ خیر و شر کو دیکھتے ہیں

تمہاری اور ہماری نظر، نظر ہے مگر
تُم آئینہ کو ہم آئینہ گر کو دیکھتے ہیں

وہی ہیں صاحبِ ادراک، کامیاب سفر
سفر سے پہلے جو زادِ سفر کو دیکھتے ہیں

ہم اپنے آپ کو مجنوں بنا کے اے گوہر
نظر فریبیٔ اہلِ نظر کو دیکھتے ہیں



اگر حریفِ بہارِ چمن خزاں نہ رہے
برائے اہلِ چمن کوئی امتحاں نہ رہے

یقینِ قلب میں پنہاں اگر گُماں نہ رہے
تصوّراتِ شبِ غم کی داستاں نہ رہے

نظر پہ چھاؤ مری رُوح میں سما جاؤ
کوئی حجاب ہی دونوں کے درمیاں نہ رہے

اگر بہ فیضِ تصوّر کہیں پہنچ جاؤں
مری زمینِ تغزّل پہ آسماں نہ رہے

دیارِ عشق میں گو ہر یہ غیر ممکن ہے
کہ میرا سر جھُکے اور اُن کا آستاں نہ رہے



نام بہت انعام بہت ہیں
کرنے ہوں تو کام بہت ہیں

فرزانوں کی کرتوتوں پر
دلوانے بد نام بہت ہیں

جب سے ہوس نے پر پھیلائے
پیار کی باتیں عام بہت ہیں

فاسق، فاجر، حاسد، ظالم
انسانوں کے نام بہت ہیں

ایک ہی تھا آغازِ محبت
منزل تک انجام بہت ہیں

میری پیاس بجھانے گوہر
اُن کے چھلکتے جام بہت ہیں



ہم نے کیا سلام بھی کس اہتمام سے
ٹکرا گئے چھلکتے ہوئے جام، جام سے

دیکھا جو آپ نے نگہِ اتّہام سے
دل کو سکون ہے خلشِ ناتمام سے

اُن کے حضور دل کا جھکانا ہے بندگی
کیا فائدہ ہزار سجود و قیام سے

جو پاسِ ضبط سے سرِ مژگاں ٹھہر گئے
بڑھ کر ہیں وہ ستارے بھی ماہِ تمام سے

بے قابو ہو گیا تو رُکے گا نہ پھر کبھی
روکو خوشی کے گھوڑے کو غم کی لگام سے

گوہر فسردہ دور کی میّت تو اُٹھ چکی
آؤ منائیں جشنِ طرب دھوم دھام سے



آپ جب نگاہوں سے مئے پلا نہیں سکتے
پیر ہم سے رِندوں کے لڑکھڑا نہیں سکتے

تیری بزم کی ساقی ریت ہی نرالی ہے
آپ آ تو سکتے ہیں آپ جا نہیں سکتے

حُسن کے پرستارو گُل رُخوں پہ مت جانا
گُلستاں میں یہہ کیا کیا گُل کھِلا نہیں سکتے

رات دِن ستاتی ہے جن کو فکرِ مستقبل
اپنا تلخ تر ماضی وہ بھُلا نہیں سکتے

حق بہارِ گلشن پر اُن گلوں کا کیا گوہر
جو خزاں کے جھونکوں سے لُطف اُٹھا نہیں سکتے



جو جذبِ دل کو قوتِ اخفائے حال دے
اُس شعلۂ جنوں کو مزید اشتعال دے

فرسودہ تلخ ماضی کو آسودہ حال دے
ہر غم کو شادمانی کے سانچے میں ڈھال دے

فردوسِ خواب دے کہ بہارِ خیال دے
اے کاش کوئی لذتِ شامِ وصال دے

دیتے ہیں تیری یاد کو احباب نامِ غم
ہے غم یہی تو مجھ کو غمِ لازوال دے

یارب ہوں میں مجاہدِ مہر و وفا مجھے
تیغِ جنونِ عشق دے عرفاں کی ڈھال دے

یوں تو نہیں ہے فیصلۂ کُل یہ مدح و ذم
تعریف اِک کمینے کو فوراً اُچھال دے

گوہر وہاں جنوں کی کرامات دیکھنا
جس جا خرد کا حوصلہ ہتھیار ڈال دے



عشق پابندِ سفر ہو یہہ ضروری تو نہیں
راہِ دل کا بھی خضر ہو یہہ ضروری تو نہیں

قُربِ جاناں کا سُکوں ہو کہ جُنونِ فرقت
مرہمِ زخمِ جگر ہو یہہ ضروری تو نہیں

وہ شبِ وصل جسے پیار کا حاصل کہئے
بسترِ گُل پہ بسر ہو یہہ ضروری تو نہیں

آپ اخلاص و محبت سے کہاں ملتے ہیں
ہر بشر تنگ نظر ہو یہہ ضروری تو نہیں

ثبت کر دی گئیں تاریک دِلوں پر مُہریں
سب کو اللہ کا ڈر ہو یہہ ضروری تو نہیں

نذرِ نظّارہ جہاں دیدہ و دل ہوتے ہیں
صرف تسکینِ نظر ہو یہہ ضروری تو نہیں

ابرِ نیساں تو برستا ہے برابر گوہر
ہر صدف پُر زِ گہر ہو یہہ ضروری تو نہیں



جو رہین ہو چکے ہیں ترے دلنواز چھل کے
اُنہیں کیا سکوں ملے گا ترے شہر سے نکل کے

ابھی ہنس کے پاس آنا، ابھی رو کے روٹھ جانا
کبھی مرمریں اُجالے، کبھی شام کے دھندلکے

مری چشمِ تر کا منظر، مری تابِ ضبط محشر
کبھی آ کے دیکھ جلوؤں کے حصار سے نکل کے

مرے جان و دل کو لے کر مرا ظرف آزمایا
ذرا دیکھ عزم میرا، مرے راستہ پہ چل کے

مری قسمتوں سے آخر کوئی ہاتھ تک نہ آیا
مرے آس پاس گوہر کئی جام یوں تو چھلکے



ہر بُرائی کے عوض درسِ ہُنر دیتی ہے
کیا صلہ صحبتِ اصحاب بِصر دیتی ہے

سر جُھکانے کو جو قوّت تمہیں سر دیتی ہے
سر اُٹھانے پہ وہ برباد بھی کر دیتی ہے

جس کو بتلاتے ہیں ارباب دِوَل ناممکن
بات اخلاص کی وہ کام بھی کر دیتی ہے

آئینہ ہو تو نظر آئے گا اپنا چہرہ
بر محل بات اگر ہو تو ثمر دیتی ہے

زخمِ عاشق پہ لگا دو کہ سبھی کہتے ہیں
کوئے محبوب کی مٹّی بھی اثر دیتی ہے

مانگنے والے کو وہ شانِ کریمی گوہرؔ
جلد یا دیر سے دیتی ہے مگر دیتی ہے



زباں کو نور پہنائیں گے شاید
کرم کے پھول برسائیں گے شاید

مہربانی بہت فرما رہے ہیں
اب اپنی بات منوائیں گے شاید

نقابِ رُخ اُلٹ کر آ رہے ہیں
مجھے میخوار ٹھہرائیں گے شاید

سُلگتے تجربے ہائے خانماں کے
صلیبِ شب پہ چڑھ جائیں گے شاید

ہے کتنی پُر اثر، پُر درد تمہید
مرا افسانہ دُہرائیں گے شاید

نہیں اچھی یہ دُزدیدہ نگاہی
مرا مطلب سمجھ جائیں گے شاید

مجھے وہ گھورتے جاتے ہیں گوہر
چھلکتے جام ٹکرائیں گے شاید



لذّت جو غم میں پاؤں، تجھے دیکھنے کے بعد
کیونکر نہ مسکراؤں، تجھے دیکھنے کے بعد

تو ہی مری خوشی ہے مرا مدّعا بھی تو
کیا حالِ دل سناؤں تجھے دیکھنے کے بعد

جاتا رہا تصوّرِ رنگیں کا سب کمال
تصویر کیا بناؤں تجھے دیکھنے کے بعد

فی الفور دل سے جامۂ حسرت اتار دوں
ہر غم کو بھول جاؤں تجھے دیکھنے کے بعد

سجدہ کیا کہ عشق کی معراج ہو گئی
سر کس طرح اٹھاؤں تجھے دیکھنے کے بعد

گوہر وہ آکے کہنے لگے میری لاش پر
آنسو نہ کیوں بہاؤں تجھے دیکھنے کے بعد



انعامِ دورِ امنِ جہاں دیکھتے چلیں
بربادیِ جہاں کا سماں دیکھتے چلیں

شُعلے بھڑک رہے ہیں گُلستاں میں آجکل
برقِ نگاہِ شُعلہ رُخاں دیکھتے چلیں

سر تا قدم ہے نقشِ گرِ محشرِ خیال
اعجازِ قدِ سروِ رواں دیکھتے چلیں

اے ہمصفیرِ روح زرا دھیرے دھیرے چل
کچھ جلوہ ہائے کون و مکاں دیکھتے چلیں

پھر چل رہا ہے شہرِ خموشانِ آرزو
حالِ مکینِ بند مکاں دیکھتے چلیں

جن کو چھلکتے جام ملے پی کے چل دئیے
اب حالِ زارِ دردکشاں دیکھتے چلیں

لائی ہے اب کشاکشِ دیر و حرم کہاں
گوہرِ عروجِ وہم و گماں دیکھتے چلیں



لو نمودار ہوئی پیار کے آثار کی صبح
قیدِ یوسف کے لئے مصر کے بازار کی صبح

کاٹتے کاٹتے کٹ ہی گئی شب فرقت کی
ہوتے ہوتے ہوئی آخر دلِ بیمار کی صبح

وہی وحشت، وہی بے چینی، وہی مایوسی
شامِ زنداں سے نہیں کم کسی نادار کی صبح

آفریں اس کا مقدّر جسے قسمت سے ملے
تیری زلفوں کی حسیں شب ترے رخسار کی صبح

تیرے عابد کو ملی جنّتِ شب ہائے وصال
تیرے دیوانے نے پائی رسن و دار کی صبح

آپ کی رات سیہ بختیٔ افراد، حضور
نامِ بیداریٔ اقوام ہے سرکار کی صبح

حسنِ تخئیل کی صرف ایک ہی شب میں گوہر
ہوئی سو بار مرے جدّتِ افکار کی صبح



جہاں جذبِ کلیمی سے سمندر میں اُترتے ہیں
وہاں ہم وقت کے فرعون کو غرقاب کرتے ہیں

ادا سے ناز سے انداز سے جب وہ گزرتے ہیں
سُنا ہے بذلہ سنجانِ چمن بے موت مرتے ہیں

چمن کی آہ، کربِ لالہ و گُل، نالۂ بُلبُل
خود آگہ اہلِ دل، اہلِ نظر محسوس کرتے ہیں

خرد کی راہ کے روڑے ہیں سارے رابطے، رشتے
یہی کچھ سوچ کر رہرو جُنوں کی قدر کرتے ہیں

حسیں کافر اداؤں نے بگاڑا ہو جنہیں گوہر
بھلا کیا عمر بھر بھی ایسے دیوانے سُدھرتے ہیں



دار سے آج اَنَ الحق، کی صدا آئی ہے
کس نے پھر عشق میں دانستہ سزا پائی ہے

قیصری باقی ہے دنیا میں نہ دارائی ہے
دورِ سلطانئ جمہور کی بن آئی ہے

عمر بھر جس نے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے
دل اُسی سازِ شکستہ کا تمنائی ہے

وہ بھلا ان گلُ و گلزار سے کیا بہلے گا
جس دِوانے کو فضاء دشت کی راس آئی ہے

نہ کہیں پھول کِھلا اور نہ سبزہ مہکا
لوگ پھر بھی یہی کہتے ہیں بہار آئی ہے

آخرش کرنے لگے اہلِ چمن ترکِ چمن
خوب انگڑائی تیری لالۂ صحرائی ہے

شوق کے خانۂ خاموش میں دیکھو گوہر
ہجر ہی ہجر ہے، تنہائی ہی تنہائی ہے



وہ بلا جب بھی مرے گھر آئے
نت نیا روپ بدل کر آئے

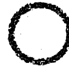
آنکھ وہ ہے کہ جو دیکھے تجھ کو
دل وہی ہے کہ جو تجھ پر آئے

دل کی راہوں کی رکاوٹ بن کر
غم کی آنکھوں کے سمندر آئے

اُن کی بے عکسی کا چاہیے جو ثبوت
آئینہ لے کے سکندر آئے

اِک نظر ایک نظر ایک نظر
آپ کو اپنا سمجھ کر آئے

یک بیک اُن کے بھی منہ سے نکلا
دیکھیے آئے وہ گوہر آئے



غم نہیں اُس نے جو پابندِ ستم رکھا ہے
یوں بھی اِک سلسلۂ ربطِ بہم رکھا ہے

سرِ تسلیم جو ہر حکم پہ خم رکھا ہے
بند مٹھی سا تری ہم نے بھرم رکھا ہے

سر چھپانے کو گنہگارِ محبت کے لئے
بیکراں سایۂ دامانِ کرم رکھا ہے

چشمِ ساقی کی قسم کافر و مومن بھی چلے
وادیٔ جلوہ گہِ دیر و حرم رکھا ہے

ہم نے اُس سنگِ درِ ناز پہ دھونے کو غبار
جب بھی سر رکھا ہے با دیدۂ نم رکھا ہے

ظرف کی بات ہے گو عشق کا سودا گوہر
اس میں نقصان بہت فائدہ کم رکھا ہے



سودا جو کیا ہے تو سر دے کے ہی ٹلتے ہیں
کب کوچۂ جاناں سے عشاق نکلتے ہیں

ہو جاتا ہے دل دُھل کر شفاف اک آئینہ
آنکھوں سے محبت کے سوتے جو اُبلتے ہیں

ان راہنماؤں پر ہر آن نظر رکھنا
کچھ رنگ بدلتے ہیں کچھ بھیس بدلتے ہیں

افسانے صلیبوں کے جانبازوں کو زیبا ہیں
کم ظرفوں کے مُنہ سے یہ الفاظ بھی کھلتے ہیں

کچھ پھولوں سے ہوتی ہے تزئینِ چمن گو یہ
کچھ لوگ ہی قوموں کی تقدیر بدلتے ہیں



جب ڈوبنا ہی ٹھہرا تو ساحل سے کیا غرض
اے خلوتِ جنوں تجھے محفل سے کیا غرض

ہر حال میں پتنگے کو مطلوب ہے ضیاء
اُس کو طوافِ مسجد و محفل سے کیا غرض

ہم ہیں کشودِ عُقدۂ زلفِ خزاں ہمیں!
باغ و بہار و شورِ عنادل سے کیا غرض

جس کے لئے ہو دشت نوردی ہی زندگی
اُس کو سکونِ جادہ و منزل سے کیا غرض

ساقی جو اپنے دستِ عنایت سے دے تو بس
جامِ شراب زہرِ ہلاہل سے کیا غرض

ہم ہم رہانِ قافلۂ آفتاب ہیں
گو ہر ہمیں کسی مہِ کامل سے کیا غرض



ہے عجیب عالمِ بے خودی نہ تو سوز ہے نہ تو ساز ہے
مری خلوتوں کے جہان کا ذرّہ ذرّہ جلوہ طراز ہے

تری قدرتوں کا نظارہ ہے کہ نظر پہ پردۂ راز ہے
یہ جہاں دیارِ ثبات ہے کہ طلسمِ بزمِ مجاز ہے

جو ہے مونسِ غمِ دو جہاں، رہ و رسمِ عشق کا راز داں
وہی بندہ بندۂ ناز ہے، وہی بندہ بندہ نواز ہے

جو مئے الست سے مست ہوں انہیں کیا خرد سے بھلا غرض
جو رہینِ دیر و حرم نہیں، وہی عاشقوں کی نماز ہے

میں ترے چمن کی ہوں اک کلی تو مرے چمن کی بہار ہے
مرا دل اگر ترا آئینہ، تری آنکھ آئینہ ساز ہے

مری فرشِ راہ ہے روشنی سرِ راہِ منزلِ آگہی
نہ کہیں فراق و وصال ہے، نہ کہیں نشیب و فراز ہے

مرا حال گو ہے خستہ جاں، کسی خستہ جاں سے نہیں نہاں
یہ ازل سے دہر میں آج تک مری ذات راز ہی راز ہے



متاعِ دردِ محبّت لُٹا کے رستہ میں
نہ بھول منزلِ موہوم پا کے رستہ میں

یہاں تو ظرفِ طلبگار دیکھا جاتا ہے
خطا کا ذکر نہیں ہے عطا کے رستہ میں

بجز جُنون بھلا کون ساتھ دیتا ہے
قدم قدم پہ فنا ہے بقا کے رستہ میں

یزید درپئے آزار، شِمُر درپئے قتل
ہے ہر زمانہ میں ہر کربلا کے رستہ میں

ہزار درجہ ہیں بہتر وہ خار پھولوں سے
جو بچھ گئے ہوں شہیدِ وفا کے رستہ میں

کسی حریف سے مغلوب ہو نہیں سکتے
جو سر کٹانے چلے ہوں خدا کے رستہ میں

رواں ہے جانبِ منزل مرا جنوں گو ہر
کسی کے نام پہ سب کچھ لٹا کے رستہ میں



اُجالے میں بھی کیسی تیرگی محسوس ہوتی ہے
فضا خود اپنے گھر کی اجنبی محسوس ہوتی ہے

خلوصِ دل سے دل کو جو خوشی محسوس ہوتی ہے
کبھی دیکھی بھی جاتی ہے کبھی محسوس ہوتی ہے

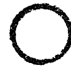
جنہیں پالا پڑا ہے پوچھئے دل کی لگی اُن سے
تمہیں یہ آگ دل کی دل لگی محسوس ہوتی ہے

بدل کر لاکھ رکھ دیں اپنے اندازِ تخاطب کو
یقیناً دوستی یا دشمنی محسوس ہوتی ہے

یہ منظر سوگ کا ہوگا کہ دیوالی کا نظارہ
لڑی اشکوں کی جلتی پھلجھڑی محسوس ہوتی ہے

زباں سے کچھ نہیں کہتے گو یہ ٹوٹے ہوئے اصنام
لگی ہے ضرب کس کے ہاتھ کی محسوس ہوتی ہے

غضب کی جان لیوا ہے یہ ساون کی گھٹا گو یہ
کسی کی آج شدت سے کمی محسوس ہوتی ہے



بہار کر کے جو سولہ سنگھار گذری ہے
نہ پوچھ کیسے شبِ انتظار گذری ہے

وہ زندگی جو پئے روزگار گذری ہے
اسیرِ گردشِ لیل و نہار گذری ہے

نہ جانے آئی ہے یہ کس دیارِ اقدس سے
صبا اِدھر سے بڑی خوشگوار گذری ہے

متاعِ فکر و نظر کے سوا بھلا دینا
جو مجھ پہ ائے مرے پروردگار گذری ہے

کہیں نشان تو ایسے نظر نہیں آتے
کبھی اِدھر سے بھی بادِ بہار گذری ہے

ترے حضور جو مومن کا سارا دن گذرا
ترے جلو میں شبِ میگسار گذری ہے

حقیقتوں کو بھی یارو ذرا لچک دے دو
سدا جہاں کو کھری ناگوار گذری ہے

ہیں ساری منزلیں موقوف میری منزل پر
مرے سفر میں ہر اک رہ گذار گذری ہے

اُبھر کے رہ گئے گوہر اُدھر نقوشِ دوام
جدھر سے زندگیِ مستعار گذری ہے



لائی کس موڑ پہ مجھ کو مرے حالات کی رات
ساری دنیا گئی یک لخت بدل رات کی رات

آنکھوں آنکھوں میں سوالات و جوابات کی رات
کون بھولے گا وہ معراجِ کمالات کی رات

پارسائی تو ہوئی وعدہ شکن کی مشہور
پوچھ مت کیسے کٹی رندِ خرابات کی رات

دیدنی تھا سرِ مژگاں وہ چراغوں کا سماں
ہچکیاں لیتی سسکتی ہوئی بارات کی رات

انقلابات کے سائے میں سسکتے حالات
پنجۂ وقت میں دم توڑتے جذبات کی رات

نبضِ ماضی، نفسِ حال، دمِ مستقبل
کتنے سوغات لیے آئی ملاقات کی رات

آج اس دورِ تمدن میں بھی گوہر ہے تسک
پُرکشش ہے وہی پارینہ روایات کی رات



انسانیت کی بات ہو یا فکر و فن کی بات
سُنتا کہاں ہے کوئی کسی کم سخن کی بات

وہ لحظہ لحظہ رنجشیں، فتنے، قیامتیں
لائے کہاں سے کوئی تری انجمن کی بات

فخرِ فقیری اور سکون خود آگہی
اِک ظرفِ دل کی بات ہے اِک حُسنِ ظن کی بات

پیرس کی شام ہو کہ سمرقند کی سحر
آتی بھی ہے بھلا کہیں اپنے وطن کی بات

جیسے ہی میں سُناتا ہوں احوالِ داغِ دل
کرتے ہیں لوگ تیرے گُلِ پیرہن کی بات

ہے وجہِ بے شعوریِ احباب شور و غُل
خاطر میں لائیں اہلِ ہنر اہلِ فن کی بات

مشہور گو بہت ہے زبانِ انیسؔ و داغؔ
کچھ اور شاندار ہے گوہرؔ دکن کی بات



حسینوں کا دل عشق والوں کے ساتھ
اندھیروں کا سنگم اجالوں کے ساتھ

مرا خواب تیرے خیالوں کے ساتھ
مجاہد کی شب پر غزالوں کے ساتھ

وہ قاتل ادا وہ گل پیرہن
چمکتی ہوئی تیغ ڈھالوں کے ساتھ

سر بزم آنکھوں سے آنکھیں ملیں
پیالوں کی ٹکر پیالوں کے ساتھ

بصیرؔ کو میری گوارا نہیں
مذاقِ سخن نونہالوں کے ساتھ

انہیں سے ہے دنیائے ہست اور نیست
نہ کر چھیڑ اللہ والوں کے ساتھ

یہی مجھ میں گو ہر بڑا عیب ہے
رہا ہوں سدا خوش خصالوں کے ساتھ



نظّارہ کرو اپنی نظر جائے جہاں تک
محدود نہیں جلوۂ حق کون و مکاں تک

ناچار یہ لادا تو گیا بارِ امانت
اب آپ ہی بتلائیں اُٹھاؤں کہاں تک

بھولے سے وہاں سُود کی باتیں نہ کیا کر
جس جا نہیں آزادیٔ اظہارِ زباں تک

اس راہِ جُنوں میں ہیں کئی منزلیں لیکن
ہے سعیٔ یقیں منزلِ تسکینِ گماں تک

اب لوٹ کے جانا تو جُنوں سے نہیں ممکن
ہو پایا نہ گوہرؔ مجھے منزل کا گماں تک



بھولی بسری ہوئی یاد پھر آگئی
تا بہ حدِّ نظر روشنی چھا گئی

حُسن اب تک بھی ہے چار سو جلوہ گر
لوٹنے یوسف نگاہِ زلیخا گئی

دم بہ دم جانتے بوجھتے زندگی
کیسے کیسے فریبِ حسیں کھا گئی

رنج دوزخ کبھی لطفِ جنّت کبھی
اِک نظر تیری کیا کیا نہ دِکھلا گئی

دل ہی دل میں جو اُن کا خیال آگیا
آنکھوں آنکھوں میں بجلی سی لہرا گئی

تا دمِ زیست گو پھر وہ سنبھلا نہیں
اُن کی سنجیدگی جس کو بہکا گئی



دورِ حاضر نئی تہذیب کا آذر نکلا
ہیرا سمجھا تھا ترا شا ہوا پتھر نکلا

آپ کے ساتھ مرا نام بھی لیتا تھا سنا
آپ کا دشمنِ جاں آپ سے بہتر نکلا

پیار سے جب بھی پکارا کوئی دلدار مجھے
میرے منہ سے تو ترا نام ہی اکثر نکلا

جب بھی آہوں نے قیامت کا سماں باندھ دیا
اشک بن بن کے تمناؤں کا لشکر نکلا

شمع روشن کے تلے دیکھیے تاریکی ہے
پی کے دریائیں کئی پیاسا سمندر نکلا

حد میں رہتے ہیں جو اپنی وہ نکھر پاتے ہیں
قطرہ جو قیدِ صدف میں تھا وہ گوہر نکلا



کیوں بھاگتا ہے کشمکشِ امتحاں سے دُور
منزل کہاں ہے جادۂ عزمِ جواں سے دُور

آلائشِ بہار و مآلِ خزاں سے دُور
ہے منزلِ یقیں حدِ وہم و گماں سے دور

کھونا نہ انفرادیت حُسنِ سادگی
رہنا سدا نگاہِ تبختر فشاں سے دور

دل سے کبھی نظر سے کبھی دیکھتا ہوں میں
جلنے قریب ہے وہ کہاں سے کہاں سے دور

گوہر تمام عمر اسیری میں کٹ گئی
کچھ آشیاں میں رہ کے کچھ آشیاں سے دور



پھر نظروں کا ہے جلوؤں کا بھرم ہے دیکھو
آئینہ خانے میں پتھّر کا صنم ہے دیکھو

دمِ آخر بھی بہت آنکھوں میں دم ہے دیکھو
ہائے کیا حسرتِ دیدارِ صنم ہے دیکھو

توڑنا ہو تو خوشی سے اسے توڑو لیکن
متّصل دیر سے دیوارِ حرم ہے دیکھو

شائد اس راہ سے گذرے ہیں شہیدانِ وفا
مثلِ خورشید اِک اِک نقشِ قدم ہے دیکھو

قبل از بخششِ غم پُرسشِ احوال نہ ہو
دل میں کتنی ابھی گنجائشِ غم ہے دیکھو

ہر الم نقطۂ آغازِ طرب ہے گو ہر
ہر خوشی منزلِ مستقبلِ غم ہے دیکھو



جب کبھی اُن کے نقوشِ پا فروزاں ہو گئے
رہبرِ منزل برائے نوعِ انساں ہو گئے

جس کے باغِ دل کے وہ روحِ بہاراں ہو گئے
وہ خزاں کے دور میں بھی گُل بداماں ہو گئے

حُسن سے جن کے درخشندہ تھا روئے زندگی
سینکڑوں انفاس نذرِ فکرِ دوراں ہو گئے

بات نظّاروں کی گو ہے بالیقیں سمجھائیں گے
وہ جو بلقیسانِ جنت پر سلیماں ہو گئے



تری نظر ہو جو خود بین نور سے پُر نور
وہی ہے مشعلِ منزل وہی ہے شعلۂ طور

غرورِ فکر و نظر اور دماغ و دل کا فتور
زوالِ جدّت و حکمت شعور کا ناسور

ترے تبسّمِ لب سے ملاحتوں کی نمو
تری ادا سے ہوا ہے قیامتوں کا ظہور

تو راہ رَو ہے ترا کام چلتے رہنا ہے
نہ سوچ منزلِ مقصود ہے قریب کہ دور

تباہ کرتے ہیں انساں کو سدا گوہر
طلسمِ دانش و حکمت فریبِ عقل و شعور



ہر شعر پہ سیر وہ تری داد کا عالم
ہر لحظہ نئی بات کی ایجاد کا عالم

اُف! مرحلہ در مرحلہ اُفتاد کا عالم
سوزِ جگر و نالہ و فریاد کا عالم

سو فتنے اُٹھاتا ہے ہر انگڑائی پہ دیکھو
اُس حشر ادا حُسنِ خدا داد کا عالم

ماضی کے اِک اِک وعدۂ فردا پہ مباحث
وہ وصل کی شب ہجر کی روداد کا عالم

میں مصلحتاً بھول بھی جاؤں گا کسی دن
تو یاد کرے گا مری فریاد کا عالم

دیکھے سے انہیں بھول گئے خود کو بھی گوہر
کیا ہجر ہے کیا ہجر کی میعاد کا عالم



تُو گر مرے وجود میں شامل نہیں رہا
میں میں نہیں رہا مرا دل، دل نہیں رہا

اے حُسنِ بے مثال تجھے دیکھنے کے بعد
نظّارہ کوئی دید کے قابل نہیں رہا

پروانہ جل کے راکھ ہوا شمع بجھ گئی
بسمل نہیں رہا کوئی قاتل نہیں رہا

اک اک نفس ہے ایک نئی منزلِ حیات
کوئی سفر مرے لئے مشکل نہیں رہا

وصلت بغیر جینا تو ممکن نہیں مگر
مرنے کا اختیار بھی حاصل نہیں رہا

گویا اک ایسا وقت بھی آیا شبِ فراق
یا میں نہیں رہا یا مرا دل نہیں رہا



تیرِ نگاہِ ناز کو قلب کے آر پار کر
آپ بھی بے قرار ہو مجھ کو بھی بے قرار کر

مجھ پہ ستم ہزار کر دانستہ بار بار کر
آجا کبھی تو روبرو اپنا نقاب اُتار کر

اُن کے دیارِ حُسن کا دستور ہے یہی میاں
جو سب پہ آشکار ہے اُس کو نہ آشکار کر

بڑھ جائے جس مقام پر کشمکشِ دل و نظر
چھوڑ کے حق پہ فیصلہ خاموشی اختیار کر

تیری مری جو بات ہے، ترے مرے ہو درمیاں
برسرِ عام چھیڑ کر مجھ کو نہ شرمسار کر

اپنا ہے کون غیر کون سب رہروانِ زیست ہیں
ہر ایک سے خلوص رکھ ہر آدمی سے پیار کر

شام و سحر یہی دُعا تجھ سے مری ہے اے خدا
گوہرِ تابدار کو اور بھی تابدار کر



الگ اپنی مومن نے مسجد بنالی الگ اپنی میکش نے محفل سجالی
مگر اک نگاہِ کرم تو نے ڈالی تو دونوں نے عید اپنی اپنی منالی

ذرا تیری چشمِ عنایت ہو ساقیؔ، ترے میکدے کی فضا ہے نرالی
ہر اک بادہ کش ہے یہاں پیاسا پیاسا ہر اک ہاتھ میں جام ہے خالی خالی

قیامت کا تھا عرصۂ شامِ فرقت، مگر میں نے اک لمحۂ مختصر میں
ترا نام لے کر جو گردن جھکالی، تصوّر سے تصویر تیری بنالی

مرا حوصلہ تھا یا دیوانہ پن تھا، خود اپنا ہی ظرف آزمانے کو میں نے
جہاں برق کے سائے منڈلا رہے تھے وہیں پر نشیمن کی بنیاد ڈالی

نظر آتے ہو کھوئے کھوئے سے گوہرؔ، کہو کچھ تو آخر یہ کیا ہو گیا ہے
تمہیں آجکل لگ گیا روگ کیسا، ارے ایسی کیسی یہ حالت بنالی



ہو چارہ گری دِل کی یا غم کی مسیحائی
جو تیری نظر میں تھی وہ بات کہاں آئی

ہر رنگ میں تیری ہی انگڑائی نظر آئی
کیا ذوقِ تماشائی کیا انجمن آرائی

حق مانگنا ہی ہو تو حق مانگ درِ حق سے
در در کی جبیں سائی ہے ذلت و رسوائی

پُر شور ہیں دریائیں، خاموش سمندر ہے
تصویر کے دو رُخ ہیں کم ظرفی و دانائی

ناکام تمناؤں سے ہم نے یہی سیکھا
خاموشی میں مایوسی، اظہار میں رسوائی

مشہورِ خرد ہو تو گمنام جنوں کیوں ہو
اک نرگسِ گلشن ہے اک لالۂ صحرائی

اُف نشۂ صہبا سی اک ایک ادا گویا
سرمستی کی سرمستی، انگڑائی کی انگڑائی



کلی کلی میں گلستاں کی بے کلی کیوں ہے
گلوں کے چہروں کی رنگت اڑی اڑی کیوں ہے

جنازہ کیا کسی گل کا اٹھایا جائے گا
بھری بہار میں گلشن میں خامشی کیوں ہے

جہاں کی پانچ بڑی طاقتوں سے پوچھ تو لیں
بنامِ امن جہاں میں درندگی کیوں ہے

کتاب ہم تو حوادث کی روز پڑھتے ہیں
ورق ورق پہ مگر دھول سی جمی کیوں ہے

کسی ستارۂ مصلوب کی ضیاء ہوگی
شبِ سیاہ سرِ دار روشنی کیوں ہے

خودی کے غم کو جہاں بے خودی مٹاتی ہے
خودی کے پنجۂ قدرت میں بے خودی کیوں ہے

گلوں کا نام و نشاں تک نہیں یہاں گو ہے
اِک ایک خار میں خوشبو رچی بسی کیوں ہے



قاتل کو مرے قتل کا غم ہے تو مجھے کیا
آنکھ اُس کی مرے خون سے نم ہے تو مجھے کیا

جس دل میں نہیں شمع ترے ذکر کی روشن
وہ ہمسرِ محرابِ حرم ہے تو مجھے کیا

میں جذبِ ابراہیمؑ کی تعریف کروں گا
سر بر بُتِ آذر کا قلم ہے تو مجھے کیا

آیا ہوں اِک اک منزلِ مشکل سے گذر کر
اب بارشِ الطاف و کرم ہے تو مجھے کیا

نازاں ہوں بہت میں بھی مرے حُسنِ نظر پر
تجھ کو ترے جلوؤں کا بھرم ہے تو مجھے کیا

لے آئی اَنا جب تجھے پایانِ فنا تک
اب سلسلۂ گردشِ و غم ہے تو مجھے کیا

میں خون میں ڈوبی ہوئی تحریر ہوں گوہر
قصّہ مرا ہر دل پہ رقم ہے تو مجھے کیا



راہ گم کردہ کو اک نقشِ کفِ پا جیسے
ڈوبتے شخص کو تنکے کا سہارا جیسے

آپ سے پہلی ملاقات پہ یوں لگتا ہے
میں نے دیکھا ہے کہیں آپ کے جیسا جیسے

تجربے اپنے دھواں بن کے اُڑے جاتے ہیں
وقت سے ہم نے ابھی کچھ نہیں سیکھا جیسے

آج ہر شخص نظر آتا ہے نیلا پیلا
ڈس لیا ہو کسی مزدور کو کالا جیسے

خاک اُڑتی ہے تو خوشبوئے وفا آتی ہے
شمع کی لو میں جلا کوئی پتنگا جیسے

گونجتی ہی نہیں ہنسی کی سُریلی آواز
پی گئی زہر کا پیالہ کوئی میرا جیسے

سوئے میخانہ کھنچا جاتا ہے دل پھر گوہر
شام آجاتا ہے گھر صبح کا بھولا جیسے

نرا کرشن کی بھگت میرا بائی



جلوہ گاہِ دل سے جب وہ جلوہ فرما جائے ہے
شعلۂ غم بجھتے بجھتے اور بھڑکا جائے ہے

آخرِ دم تک بھی آخر کس سے سوچا جائے ہے
ساتھ کیا کیا آیا تھا اور ساتھ کیا کیا جائے ہے

راہ میں کوہِ حوادث ہو کہ دشتِ انقلاب
زندگی کا تیشہ دریا ہے کہ بہتا جائے ہے

تم سرِ راہِ عمل ہو منتظر جس وقت کے
دیکھتے ہی دیکھتے وہ تم پہ ہنستا جائے ہے

موت کے سائے میں فرشِ گردشِ آفات پہ
آدمی سازِ مشیت پر تھرکتا جائے ہے

دار پہ ہیں ساتھ میرے سرمد و منصور بھی
دیکھنا ہے آج کس کے سر یہ سہرا جائے ہے

جب کبھی مظلوم کی آہوں سے اُٹھتا ہے دھواں
سینۂ گیتی پہ گوہر انقلاب آ جائے ہے



نگاہ و دل میں جہاں بے تکلّفی نہ رہی
خرد میں شوخیٔ احساس پروری نہ رہی

گلوں کے رُخ پہ یہ مانا کہ تازگی نہ رہی
طبیعت اپنی بھی پہلی سی منچلی نہ رہی

وہ ایک دوست ہوا تو سبھی ہوئے دشمن
مگر کسی سے مجھے کوئی دشمنی نہ رہی

تری ادائیں بہرحال گُل کِھلائیں گی
بہارِ گلشنِ ہستی، رہی رہی نہ رہی

نصیحتیں نہ کرو حاسدو! خموش رہو
تمھاری کوئی سیاست ڈھکی چھپی نہ رہی

ہزار باتیں تراشیں تھیں یوں تو گو ہم نے
ترے حضور کوئی بات کام کی نہ رہی



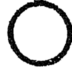
میرے دل میں جب سے وہ مستور ہے
دل کی تاریکی غریقِ نور ہے

اپنے اپنے عشق کا مقدور ہے
کوئی مجنوں ہے، کوئی منصور ہے

آج حق گوئی چھپی پھرتی ہے یوں
جیسے کوئی قیدیِ مغرور ہے

اپنے اپنے دیکھنے کا ہے کمال
پاس اُتنا ہے وہ جتنی دور ہے

گھوم کر گوہر جہاں میں دیکھئے
کس قدر اُردو زباں مشہور ہے



عشرت کدہ میں حسن کے جو محوِ خواب تھے
مرہونِ منّتِ دلِ خانہ خراب تھے

تاریخ عہدِ ماضی ہے شاہد مؤثّر تو!
ہم بھی کتابِ زیست کا رنگین باب تھے

جس جا نظر سے پینے میں اپنی نجات تھی
ہم محوِ امتیازِ ثواب و عذاب تھے

پڑھنے کی لمحہ بھر ہمیں فرصت نہ مل سکی
اُس مکتبِ حیات کے جیسے کتاب تھے

منزل کو اہلِ عشق کے قدموں میں دیکھ کر
ہر گام دست بستہ کھڑے انقلاب تھے

میں چل پڑا جو اہلِ نظر کی تلاش میں
جلوے نہ جانے کتنے مرے ہم رکاب تھے

گو ہر کسی کی جنبشِ ابرو کا تھا کمال
گردش میں لاکھوں ساغرِ صہبائے ناب تھے



احوالِ دل نگاہ سے جس کی عیاں نہ تھا
اُس پر جہانِ نقد و نظر مہرباں نہ تھا

تھی کچھ کمی تو اہلِ بصیرت کی تھی کمی
ورنہ خدا کے نور کا جلوہ کہاں نہ تھا

اک ایک ذرّہ بول اُٹھا میرا واقعہ
جس جا بجز خموشی کوئی ترجماں نہ تھا

تیرے خیال نے مجھے پہنچا دیا وہاں
جس راہ میں زمیں نہ تھی آسماں نہ تھا

آسامی تھے، بہاری تھے، پنجابی تھے مگر
ہندوستانی کا کہیں نام و نشاں نہ تھا

تُو خود ہی نذرِ انفس و آفاق ہو گیا
ورنہ ترے وجود میں کیا کیا نہاں نہ تھا

گو ہر نگاہِ کور کو اس کی خبر نہیں
کس سمت کاروانِ محبت رواں نہ تھا



رب کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی رات
تھی وہی تو گیسوئے گیتی کے سلجھانے کی رات

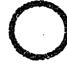
مصحفِ رُخ کو ترے پڑھتا رہا پڑھتا رہا
میری سادہ زندگی میں اِنقلاب آنے کی رات

کتنی دلکش لگ رہی تھی زندگی کی ہر ادا
میری اِک اِک آرزو سُولی پہ چڑھ جانے کی رات

کرکے اظہارِ تمنّا میں نے پچھتایا بہت
زندگی کو زندگی آئینہ دِکھلانے کی رات

تھا تصوّر ہی کسی کا کائیناتِ زندگی
فکر کو پرواز کے آداب سِکھلانے کی رات

چشمِ محنت کش میں گوہرؔ میں نے دیکھا بارہا
شب کو جھُٹلانے کا دن اور دن کو جھٹلانے کی رات



جب بھی درکار ہو عنواں کسی افسانے کا
دیکھتے لوگ ہیں چہرہ ترے دیوانے کا

ایک چنگاری سے چنگاری کے ٹکرانے کا
کیا انوکھا ہے عمل آنکھوں کے برقلنے کا

ہو سلیقہ جیسے مئے پینے کا مئے پلانے کا
کوئی امکان نہیں اُس کے بہک جانے کا

کھل کے غنچہ کا کسی شاخ پہ مرجھا جانا
مختصر جائزہ ہے زیست کے افسانے کا

اختلافات ہیں منزل کے تعین میں مگر
نام منزل ہے کسی راہی کے رک جانے کا

تُو تُو، میں میں پہ اُتر آئے ہیں گوہر جیسے لوگ
غم کہاں وقت کے ہاتھوں سے نکل جانے کا



تری خاطر لُٹا کر اپنے دل کی ہر خوشی میں نے
سدا پائی نیازِ بندگی میں زندگی میں نے

کُھلا عُقدہ ترا غم ہی سکونِ دیدہ و دل ہے
جہاں بھی عیش میں غم کی کمی محسوس کی میں نے

جہاں لب ہائے حرف و صوت پر تھی مُہرِ خاموشی
نظر سے آیتِ احساس کی تفسیر کی میں نے

تصوّر سے، تخیّل سے، نظر سے، چشمِ باطن سے
تری تصویر کس کس زاوئیے سے دیکھ لی میں نے

جہاں نظّارہ تھا مرہونِ تمکینِ نظر گوہر
وہیں اپنی نظر کی تمکنت تقسیم کی میں نے



جہاں بھی جہدِ مسلسل بروئے کار آئے
بہ ہر قدم سفرِ زیست خوشگوار آئے

جہاں میں گردشِ آلام بے شمار آئے
خوشی کے لمحے کم آئے کبھی کبھار آئے

نظر وہ ہے کہ نظارے بھی جس پہ ناز کریں
ادا وہ ہے کہ جسے دیکھتے ہی پیار آئے

ابھی تو ہجر کے لمحات روح پرور ہیں
اُسے کہو کہ ذرا بعدِ انتظار آئے

یقینِ آیت "لا تقنطو" کے صدقہ میں
تمہارے وعدۂ فردا پہ اعتبار آئے

جنہوں نے سینچا تھا خونِ جگر سے گلشن کو
بہار آئی تو گلشن سے سوگوار آئے

عجیب راہِ فنا و بقا ہے اے گوہر
جو سوئے دار چلے تھے وہ کوئے یار آئے



جب سے بنے ہیں حسن کا بازار راستے
آباد ہیں ہوس سے گنہگار راستے

باطل سے ہوں جو برسرِ پیکار راستے
آتے نظر ہیں نور کا مینار راستے

گلزار راستے ہوں کہ پُرخار راستے
کرتے ہیں پیش راہی کا معیار راستے

منزل پہ لاکے چھوڑتے ہیں راہ گیر کو
کرنے پہ جب بھی آتے ہیں ایثار راستے

آنکھوں سے حالِ دل کے بیاں میں ہے لطف اور
کہنے کو ہیں کئی پئے اظہار راستے

چلتے ہیں جب بھی سر بہ کفن کشتۂ جنوں
ہوتے ہیں ختم جاکے سرِ دار راستے

دو چار گام چل کے ذرا دیکھ لیجئے
گوہرؔ ہیں رہنمائی کو تیار راستے



حصارِ تصوّر میں محصور ہو کر
ہے مختار بھی آج مجبور ہو کر

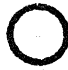
دِلوں کو سدا آزماتا رہا ہے
قریں سے قریں دور سے دور ہو کر

ترا اسمِ اعظم جو وردِ زباں ہو
بہت پاس ہے تو بہت دُور ہو کر

بدن پہ زمانے کے رِستے رہیں گے
ابھی کتنے شدّاد ناسُور ہو کر

ترے نقشِ پا جا بجا رہ گئے ہیں
سرِ راہ مینارۂ نُور ہو کر

طلب حُورِ جنّت کی بے جا ہے گوہر
ہے دل جبکہ جلوہ گہِ نُور ہو کر



نور میں ڈھل کے نظر پاک ہوئی جاتی ہے
ماورائے حدِ ادراک ہوئی جاتی ہے

صرصرِ عیش جو بیباک ہوئی جاتی ہے
حسنِ عبرت کی رِدا چاک ہوئی جاتی ہے

صور پھونکے ہے کوئی قصرِ تمنّا پہ مرے
زیست مثلِ خس و خاشاک ہوئی جاتی ہے

سامنے آتے چلے جاتے ہیں بے بس منظر
چشمِ احساس غضبناک ہوئی جاتی ہے

ہر طرف اک نئی تہذیب کی پھیلی ہے وَبا
حالتِ زیست خطرناک ہوئی جاتی ہے

ہو کے آلودۂ آسائشِ دنیا گوہرؔ
فکر گردِ رہِ افلاک ہوئی جاتی ہے



ہوا ہوئی جو مسرّت شکستِ خواب کے ساتھ
اُٹھی ہے فکر نئے عزمِ انقلاب کے ساتھ

سرِ نقاب ہی جلوے نہیں اے ذوقِ نظر
پسِ نقاب بھی اک طور ہے نقاب کے ساتھ

بتاتے ہیں یہی چہرے جہاں کے مکتب میں
ہر ایک پیش ہوا ہے کھلی کتاب کے ساتھ

سیاہ رات کو سورج نکلنے والا ہے
چمک اے کرمکِ شب پوری آب و تاب کے ساتھ

بھرم تھا خوب یہاں جن کی پارسائی کا
وہ روسیاہ ہوئے میرے احتساب کے ساتھ

سوارِ ابلقِ ایّام ہوں میں یوں گوہر
چلا ہو جیسے کوئی محوِ خواب، خواب کے ساتھ



زیست ہوتی نہ مُستعار ائے کاش
تا ابد ہوتا انتظار ائے کاش

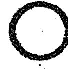
ہوتا الطاف کردگار ائے کاش
ہم نہ ہوتے ذلیل و خوار ائے کاش

دردِ دل، سوزِ عشق، داغِ فراق
ہوتے اُن پہ بھی آشکار ائے کاش

کشتیٔ زیست کو ڈبو دیتا
بحرِ اُلفت کا منجدھار ائے کاش

باغِ جنّت سے کم نہ تھیں یادیں
لُوٹ جاتا نہ یہہ حصار ائے کاش

راہِ ہجرت میں زیست کی گوہر
ہوتا اپنا بھی یارِ غار ائے کاش



ہر فرد پُر فریب ہے موقع شناس ہے
سچ پوچھئے تو کس کو یہاں کس کا پاس ہے

جس کو تمہارے وعدۂ فردا کا پاس ہے
مرنے کے بعد بھی اُسے جینے کی آس ہے

جب بھی صبا بکھیرتی ہے بُوئے پیرہن
لگتا ہے جیسے کوئی مرے آس پاس ہے

دریا ہزار فکر و تخیّل کے پی چُکی
پھر بھی زمینِ شعر کو شدّت کی پیاس ہے

اک لفظ وصل سُن کے ہوں مسرور عمر بھر
اُن کی سفید جھوٹ میں کتنی مٹھاس ہے

انسان کی طلب کا تعیّن ہو کس طرح
ہے جس کا جتنا ظرف اُسے اتنی آس ہے

اچھّے کا اچھّا اور بُرے کا بُرا مآل
گوہر کتابِ زیست کا یہ اقتباس ہے



بحرِ اُلفت کے جو شناور ہیں
اُن کو ساحل بھنور برابر ہیں

وقت کے دھارے اُس کی شہ پر ہیں
جس کو آدابِ زیست ازبر ہیں

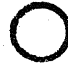
رہروؤں کی شجاعتوں کی قسم
منزلیں حوصلوں میں مضمر ہیں

کچھ تو پہچانتے ہیں اپنوں کو
جانور آدمی سے بہتر ہیں

رہ نوردو ہمارے ساتھ چلو
ہم بھی اس دور کے پیمبر ہیں

بند کمروں سے جھانک کر دیکھو
انقلابات اپنے در پر ہیں

ہوں صدف میں کہ تاج پر گوہر
مطلعِ نور ہیں منوّر ہیں



فنا کی راہ چلا جب جنوں بقا کے لئے
خرد نے بوسے جنوں کی اَدائے پا کے لئے

اگر ہو رونا تو رو آہِ نارسا کے لئے
نہیں ہے قیدِ زماں عرضِ مدّعا کے لئے

یہہ امر لازمی ہے ایک رہنما کے لئے
وہ پیش پیش رہے ہر سزا جزا کے لئے

اسے نہ بھولیں کبھی آذرانِ عصرِ جدید
ہے زندہ روحِ براہیمؑ "ضربِ لا" کے لئے

ہے خاک نقشِ کفِ پا تری جہاں اکسیر
نظر ہے کافی کسی مرضِ لا دوا کے لئے

بدل خوشی کا کبھی غم نہیں مگر گوہرؔ
نہاں الم میں خوشی ہے غمِ آشنا کے لئے



دانستہ وہ بھی محرمِ دردِ جگر کی چوٹ
ہوتی ہے اِک بشر کے لئے عمر بھر کی چوٹ

وہ روح تھی کہ سہہ گئی قلب و نظر کی چوٹ
نادان جسم سہہ نہ سکا صرف سر کی چوٹ

طوفانِ بدتمیزی ہے جاہل کا شور و غُل
ہے خامشی ہی صاحبِ علم و ہُنر کی چوٹ

قدموں میں اُس کے قیصر و کسریٰ کے تاج ہیں
راس آگئی ہے جس کو ترے سنگِ در کی چوٹ

نازک سے دل پہ گردش و آلام بے شمار
جیسے کسی غریب پہ اربابِ زر کی چوٹ

پوچھو شرون کمار سے ماں باپ کے حقوق
دشرتھ کے دل سے پوچھو فراقِ پسر کی چوٹ

جس چوٹ سے ہُوا دل کو نہیں چاک چاک
گوہر تھی میرے عشقِ مسیحا نظر کی چوٹ



جس کو ہے رب کی رحمتِ کامل سے ارتباط
ہے اہلِ دل کا اُس سے تہِ دل سے ارتباط

آنکھوں سے ارتباط ہو یا دل سے ارتباط
پُتلے کو گِل کے ہوگا نہ کیوں گِل سے ارتباط

اِک رہروِ حیات سے کیا ٹوٹتا بھی ہے
منزل پہ بھی مراحلِ منزل سے ارتباط

پروانہ خاک ہوا جل کے آخرش
دیکھا جو اُس نے شمع کا محفل سے ارتباط

گوہر ہے صرف ناخنِ تدبیر کی کمی
یوں تو ہے سب کو عقدۂ مشکل سے ارتباط



میل من کا ڈھلا گئے آنسو
کیسا جادُو جگا گئے آنسو

اپنی بانی پہ آ گئے آنسو
دل سے سب کچھ بھُلا گئے آنسو

چشمِ سیتا سے جب بھی بہہ نکلے
ساری لنکا کو ڈھا گئے آنسو

چلتے چلتے رہِ محبّت میں
غم کی منزل کو پا گئے آنسو

گر گیا میں نگاہ میں اپنی
آئینہ کیا دِکھا گئے آنسو

اور کیا عرضِ مُدّعا کرتا
اُن کو دیکھا تو آ گئے آنسو

شہر میں پتھّروں کے بھی گوہر
رنگ اپنا جما گئے آنسو



انساں تو دریافت کے پردے میں کہیں تھا
اُس وقت بھی اِک نُور سرِ عرشِ بریں تھا

مدّت سے جہاں میں ترے جلوؤں کا امیں تھا
لگتا ہے تجھے پھر بھی یہاں کوئی نہیں تھا

خورشید ضیاء بار بھی خود چیں بہ جبیں تھا
ذرّوں کے چمکنے کا سماں اتنا حسیں تھا

بیمارِ محبّت کا عجب حالِ حزیں تھا
جینے کا بھروسہ تھا نہ مرنے کا یقیں تھا

غنچوں کے مہکنے پہ بہاروں کا تھرکنا
کیا باعثِ بے تابیٔ مشتاق نہیں تھا

تسلیم شدہ بات ہے ہر دَور میں گوہرؔ
میں راہبرِ قافلۂ راہِ یقیں تھا



اچھی سہی بُری سہی مجھ پر نظر تو ہے
میری اِک ایک سانس کی تجھ کو خبر تو ہے

سمجھوتہ کالی راتوں سے کرنے کے باوجود
لوگوں کو انتظارِ طُلوعِ سحر تو ہے

میری زبان بندی ہو یا گونگی خامشی
تیرے لئے ضیافتِ قلب و نظر تو ہے

خامی سہی، گناہ سہی، بھول ہی سہی
تیری نظر میں میری وفا معتبر تو ہے

کچھ لوگ آ رہے ہیں نظر بولتے ہوئے
گوہر تمہاری اپنی سعی کا ثمر تو ہے



اذہانِ عہد ساز کو شہرت سے کیا غرض
مردانِ حق کو کثرت و قلّت سے کیا غرض

جو دل نہیں ہے درد کی لذّت سے آشنا
اُس کو متاعِ دردِ محبّت سے کیا غرض

کرتے ہیں کچھ تو خدمت و اِصلاح کے لئے
ہم ایسے اہلِ دل کو سیاست سے کیا غرض

حُسنِ ازل ہے آئینۂ دل میں جلوہ گر
سود و زیاں سے وصلت و فرقت سے کیا غرض

ایفائے عہد سے تھا شہادت کا واسطہ
شبّیر کو یزیدی حکومت سے کیا غرض

اپنی خودی کو بیچ کے جو رہنما بنیں
گوہرؔ انہیں کسی کی ہزیمت سے کیا غرض



جب خاکِ چمن کرتی ہے بپا غم دیدہ گلُوں کے ہنگامے
ہر لمحہ قیامت ڈھاتے ہیں شوریدہ سروں کے ہنگامے

افلاک کی گردش کرتی ہے نیلام یو ننگوں بھُوکوں کا
روزی کا وسیلہ بنتے ہیں بے جان کلوں کے ہنگامے

کیا جام و سبو کیا میخانہ ساقی بھی تو رُسوا ہوتا ہے
بازار کی زینت بنتے ہیں جب بادہ کشوں کے ہنگامے

آ آ کے حصاروں سے باہر ہو جاتی ہیں خوشیاں بھی رقصاں
ہوتے ہیں سرِ بازار جہاں آوارہ غموں کے ہنگامے

ملیوں کے پرچے اُڑتے ہیں فانوس ہوا ہو جاتے ہیں
جب آتے ہیں روشن محلوں تک ویران گھروں کے ہنگامے

کیا ہم نے سیکھا کیا جانا یہ مستقبل بتلائے گا
حالات ہیں اپنے درس کا درس اور ہنگاموں کے ہنگامے

مفہوم ادا ہو جاتا ہے اصنام پرستی کا گھر
چھا جاتے ہیں جب ذہن و دل پر ترشیدہ بتوں کے ہنگامے



دے کر کسی کو دُکھ مَرضِ دل نہ کر قبول
دنیا کے بدلے دین کا قاتل نہ کر قبول

مثلِ حسینؓ راہِ شہادت میں سر کٹا
نادان! حکمرائیِ باطل نہ کر قبول

خود بن کے آفتاب ضیاء بانٹ دہر کو
محتاجِ روشنیِ مہِ کامل نہ کر قبول

ہر راہ رَو کو جہدِ مُسلسل کا درس دے
ملتی ہے بے سعی بھی تو منزل نہ کر قبول

تیرے لئے جب اَنفس و آفاق ایک ہیں
قلب و نگاہ میں خطِ فاصل نہ کر قبول

گوہر اسی میں مہر و مروّت کا راز ہے
آسان شئے کو صورتِ مشکل نہ کر قبول



بے ریا رابطۂ اُنسِ جہاں باقی ہے
خاطرِ اہلِ وفا راحتِ جاں باقی ہے

وقت سے پہلے تھکے راہروں سے کہہ دو
اور کچھ راہِ جہانِ گزراں باقی ہے

کوئی انسان کھُلے دل کا نہیں مِل سکتا
ناز برداریٔ احباب جہاں باقی ہے

گاہے گاہے سہی جنّت کی ہوا آتی ہے
گلشنِ دل میں جو اِک سروِ رواں باقی ہے

مہرِ مہتابِ جہاں تاب کی آمد ہو گی
فلکِ غم پہ ابھی کاہ کشاں باقی ہے

اپنے جلوؤں کی جِلا کے لئے جلوہ دیدے
آبِ آئینۂ صاحب نظراں باقی ہے

کوئی سُنتا بھی نوائے دلِ خستہ گو ہے
آدمیت ہی زمانہ میں کہاں باقی ہے



باغ میں وہ شجر نہ لگا
کوئی پھل جسکی شاخ پر نہ لگا

شہر تہذیب نو میں جب پہنچا
کوئی گھر آدمی کا گھر نہ لگا

یہہ بھی انصاف کا تقاضہ ہے
دل کا الزام آنکھ پر نہ لگا

جس سے ہوں نفرتوں کے پھل حاصل
گلشنِ دل میں وہ شجر نہ لگا

اپنی عظمت ہے گر عزیز تجھے
مُنہ کمینوں سے بھُول کر نہ لگا

ہے بہت ہوشیار یہہ دنیا
دھڑ پہ عشرت کے غم کا سر نہ لگا

راہِ ضبطِ جُنوں میں ائے گوہر
کوئی انسان معتبر نہ لگا



پیش کرتی تھی جو دھرتی تجھ کو نذرانے بہت
آج کیوں لاوا اُگلتی ہے خدا جانے بہت

اب کے فصلِ گُل میں ہے کِس کِس کی باری دیکھئے
کوئی ہاتھوں میں لئے آتا ہے پروانے بہت

جلد جس کی پُرکشش ہے اُس کتابِ زیست میں
واقعاتِ عیش کم ہیں غم کے افسانے بہت

حال نے ماضی کی تلخی کو نمایاں کر دیا
ضبط کرنے کی سعی کی فکرِ فردا نے بہت

نفرتوں کی باڑھ کی بربادیوں کا ذکر کیا
بہہ گئے سیلابِ اُلفت میں بھی کاشانے بہت

چاک کر کے دامنِ گُل اور غنچوں کی قبا
بادِ صرصر بھی لگی ہے آج اِترانے بہت

بہرِ تقدیسِ حقیقت بہرِ تکمیلِ مجاز
ہیں حرم کی راہ میں گو ہر صنم خانے بہت



لاکھوں طوفان سموئے ہوئے ساگر کی طرح
ایک سر بھی نہ مِلا اُن کو مرے سر کی طرح

لاکھ آتا ہے نظر درد کے پیکر کی طرح
حال کیا دوست کا اندر بھی ہے باہر کی طرح

اک ترے وعدۂ فردا پہ خیالات کی رَو
فتح کے زعم میں بڑھتے ہوئے لشکر کی طرح

میل دل کا جنہیں دھونا ہے وہ آکر دھولیں
میرا دل بھی ہے کسی گھاٹ کے پتھر کی طرح

فکر احساس سے عاری ہے تصوّر میں ترے
شمع کی طرح پگھلتے ہوئے منظر کی طرح

ہو اگر جہدِ مسلسل پہ یقین کامل
لَوٹ آ چشمۂ حیواں سے سکندر کی طرح

وہ چلے آئے ہیں لوٹانے میرا دل گوہرؔ
گھر سے مفلس کے چُرائے گئے زیور کی طرح



اُس کو دل سے پکار کر دیکھو
ہاتھ اپنے پسار کر دیکھو

عیش دنیا میں بانٹنے والو
غم کا جامہ اُتار کر دیکھو

ساری دُنیا کو جو ثواب لگے
وہ گُنہ بار بار کر دیکھو

دل زمانہ کا جیتنے کے لئے
اپنی ہستی کو ہار کر دیکھو

دیکھنا ہو جو غیر کو اپنا
کُڑھ کی عینک اُتار کر دیکھو

آزمانے کو ظرف اپنوں کا
خامشی اختیار کر دیکھو

خود کی اِصلاح کے لئے گوہر
خود پہ غصہ اُتار کر دیکھو



ہوا ہے چاک کیوں یوسف کا داماں کون دیکھے گا
چلا کیوں ماہِ کنعاں سوئے زنداں کون دیکھے گا

ہے جن کی ٹھوکروں میں تخت و تاجِ قیصر و کسریٰ
ہے اُن کی خاکِ پا اکسیرو درماں کون دیکھے گا

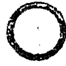
ہزاروں پردے حائل ہیں تو آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں
تیرا جلوہ نمایاں جانِ جاناں کون دیکھے گا

کتابِ زیست کے اوراق اکثر منتشر ہو کر
جو ہو جاتے ہیں نذرِ طاقِ نسیاں کون دیکھے گا

یہ دنیا صرف آنکھوں کی نمی کو دیکھ سکتی ہے
کسی کا حالِ زارِ قلبِ ویراں کون دیکھے گا

چمک گوہر کی دیکھی ہے سبھی نے تاجِ شاہی پر
بہ مثلِ ابرِ نیساں لطفِ یزداں کون دیکھے گا

جہاں گوہر سکوتِ لب کا استحصال ہوتا ہے
تڑپتی روحِ پاکیزہ انساں کون دیکھے گا



آنکھوں میں جب خلوص کے گوہر چمک گئے
نظروں کو میری پیار کے شعلے لپک گئے

اُن رہروؤں کو راہ پہ لانا فضول ہے
کم ہمتی سے اپنی جو رستہ بھٹک گئے

سُنکر جسے ہیں آپ کے ہوش و حواس گم
وہ بات سُنتے سُنتے مرے کان پک گئے

خود میرا دل بھی بیٹھا چلا جا رہا ہے آج
کیا میرے ہمنواؤں کے افکار تھک گئے

گوہر کو اُس نے دیکھ کے جو مُسکرا دیا
میخانۂ وجود میں ساغر چھلک گئے



نہ سنگِ غم نہ سنانِ ستم کی زد سے نکل
جگر خراش مباحث کی رد و کد سے نکل

نکلنے والے رہِ حق میں شدّ و مد سے نکل
رہِ جنوں کی طلب میں حدِ خرد سے نکل

کسی دوانے کا معیار جانچنے کے لئے
ملمّع سازیٔ احساسِ نیک و بد سے نکل

جو نقشِ صفحۂ دل بن گیا مرے معبود
مرے شمار کے اُس آخری عدد سے نکل

رہِ نجات میں تقلیدِ اہلِ دانش میں
جو رشک سے نہیں ممکن تو پھر حسد سے نکل

جو کچھ بھی ملتا ہے یاں حسبِ ظرف ملتا ہے
فنون و علم کے طالب غرورِ قد سے نکل

حیات بخش مناظر ہیں منتظر گوہر
فریبِ فکر کی خود ساختہ لحد سے نکل



دیکھ کر میری شاعری کا خلوص
بڑھ گیا حُسنِ معنوی کا خلوص

جانور بھی مُطیع ہوتے ہیں
دیکھ کر ایک آدمی کا خلوص

آپ کا بہترین ساتھی ہے
آپ کا خُلق آپ ہی کا خلوص

لطفِ جنت سے کم نہیں اے دوست
ایک معصوم آدمی کا خلوص

میں بھی محتاط آپ بھی محتاط
یہ نہیں دوست، دوستی کا خلوص

رات کی تیرگی کو کھلتا ہے
دن کی معصوم روشنی کا خلوص

موہ لیتا ہے جان و دل گوہر
لمحہ بھر میں کسی کا خلوص



جب بھی آنکھوں سے بہے آنسو سمندر ہو گئے
ڈوب کر اِس میں جو اُبھرے وہ شناور ہو گئے

معجزہ جمہوریت کا ہے کہ فرطِ عیش سے
آج کل جو آپ ہم جامہ سے باہر ہو گئے

ان سے بوئے خوں نہ آئے گی تو پھر آئے گی کیا
لفظ جو دل کو لگے تھے تیر و نشتر ہو گئے

ذہن و دل کے درمیاں یادوں نے لیں انگڑائیاں
تشنہ لفظوں کے تراشے روح پرور ہو گئے

آپ کا میں ہو گیا ہوں یہہ میری مجبوری ہے
یہہ بتائیں آپ میرے کیا سمجھ کر ہو گئے

میرے دل کا آئینہ تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا
یوں بھی اک منظر کے گوہر کتنے منظر ہو گئے



ہر سمت مہکتے گل و گلزار سے ملے ہیں
دو چار جہاں دوست ملنسار سے ملے ہیں

سرگرم ہوس حُسن کے بازار سے ملے ہیں
بے جان سے جسموں کے خریدار سے ملے ہیں

ہم اوروں پہ الزام لگاتے رہے کل تک
اب ہم بھی پسِ سایۂ دیوار ملے ہیں

اک جام ذرا دستِ حنائی سے اے ساقی
میخانہ میں بچھڑے تھے سرِ دار ملے ہیں

کیا جانے ملے منزلِ مقصود پہ گوہر
منظر تو سرِ راہ دل آزار سے ملے ہیں



نہیں ہے رابطہ فرسودہ رہنماؤں سے
ہے آشنائی مجھے منزل آشناؤں سے

قتیلِ حُبّ ِ وطن ہم سے باوفاؤں سے
بڑھا وقارِ وطن پوچھیئے فضاؤں سے

اک ایک آہ بھلا کیسے نارسا ہوگی
ٹپک رہا ہو جہاں خون خود دُعاؤں سے

خود اپنے چاہنے والوں کو اِس زمانے نے
کبھی وفاؤں سے مارا کبھی جفاؤں سے

ہوئی اُسی سے سدا ابتدائے شعر گوہر
جہاں بھی بُوئے آنا آئی ہے ہواؤں سے



ہر سمت مہکتے گل و گلزار ملے ہیں
دو چار جہاں دوست ملنسار ملے ہیں

سرگرم ہوس حسن کے بازار ملے ہیں
بے جان سے جسموں کے خریدار ملے ہیں

ہم اوروں پہ الزام لگاتے رہے کل تک
اب ہم بھی پسِ سایۂ دیوار ملے ہیں

اک جام ذرا دستِ حنائی سے اے ساقی
میخانہ میں بچھڑے تھے سرِ دار ملے ہیں

کیا جانے ملے منزلِ مقصود پہ گوہر
منظر تو سرِ راہ دل آزار ملے ہیں



نہیں ہے رابطہ فرسودہ رہنماؤں سے
ہے آشنائی مجھے منزل آشناؤں سے

قتیلِ حُبِّ وطن ہم سے باوفاؤں سے
بڑھا وقارِ وطن پوچھیئے فضاؤں سے

اک ایک آہ بھلا کیسے نارسا ہوگی
ٹپک رہا ہو جہاں خون خود دُعاؤں سے

خود اپنے چاہنے والوں کو اس زمانے نے
کبھی وفاؤں سے مارا کبھی جفاؤں سے

ہوئی اُسی سے سدا ابتدائے شر گوہر
جہاں بھی بُوئے اَنا آئی ہے ہواؤں سے



دل کی گہرائی سے جو شخص دُعا دیتا ہے
تیری بگڑی ہوئی تقدیر بنا دیتا ہے

موت خود اُس کی حفاظت میں لگی رہتی ہے
وقت جس شخص کو جینے کی سزا دیتا ہے

بُوئے گُل، نغمۂ بُلبُل پہ ہی موقوف نہیں
برگِ آوارہ بھی موسم کا پتہ دیتا ہے

ہجرِ مہتاب میں انجم کی تڑپ ہے بے سود
ایک بے بس کسی لاچار کو کیا دیتا ہے

عشق ہوتا ہے جہاں درپۂ اظہارِ آنا
حُسن آواز میں آواز مِلا دیتا ہے

تیری مُسکان ہے طوفاں، تِری نظروں کا سراب
زیست کی دوڑ میں اِنساں کو تھکا دیتا ہے

جب بھی ہوتا ہے تخیّل کا دھماکہ گوہر
آسمانوں کو زمینوں سے مِلا دیتا ہے



نور کو خاک کے قالب میں بسانے والا
پھر اُسے زیورِ عرفاں سے سجانے والا

(ق)

فرش سے عرش پہ بندہ کو بُلانے والا
ہے وہی رب وہی تقدیر بنانے والا

قلبِ ویراں میں بھلا کون ہے آنے والا
شمعِ تاریک شبستاں میں جلانے والا

اک پتنگے کی طرح، نجمِ شکستہ کی طرح
انجمن میں تری آجاتا ہے آنے والا

انقلاباتِ زمانہ کو بھلا ملتی ہے
حادثہ ہوتا ہے جب راہ پہ لانے والا

تخم تو خاک میں مِل کر ہی شجر بنتا ہے
آپ خود روتا ہے اوروں کو ہنسانے والا

کام آتی ہے یہاں ضبط مزاجی گوہرؔ
ہوش کھوتا ہے سدا جوش میں آنے والا



عقل کہتی رہ گئی کیا ہوگیا
تھی مشیت جو تھا ہونا ہوگیا

آپ نے جونہی نگاہیں پھیر لیں
میں بھری محفل میں تنہا ہوگیا

ذہن و دل فکر و نظر یکجا ہوئے
اس طرح تیرا سراپا ہوگیا

صفحۂ گیتی سا میرے خون سے
اِک حسیں رنگین نقشہ ہوگیا

کرب، مایوسی، اُداسی، بے کلی
زندگی آخر تجھے کیا ہوگیا

شہر کی ویران گلیوں سے کہو
انقلابِ تازہ برپا ہوگیا

جب سے گوہر حضرتِ شاہین نہیں
محفلوں کا رنگ پھیکا ہوگیا



زمیں گذرے، خلاء گذرے، آسماں گذرے
برائے عشق بہر گام امتحاں گذرے

بہار گذرے، خزاں گذرے، گلستاں گذرے
دیارِ فانی سے اِک ایک میہماں گذرے

ہراس دیا اس لئے جتنے کارواں گذرے
رہینِ کشمکشِ مرگِ ناگہاں گذرے

جو حادثات ترے میرے درمیاں گذرے
گذرنے پر بھی کسی اور پیرہ کہاں گذرے

میں چُپ تھا اور مجھے کوئی جانتا بھی نہ تھا
میں کیا کروں کہ وہی میرے ترجماں گذرے

حیا کی دیوی سہاگن کی مانگ کا سیندور
نگاہِ دہر میں صد رشکِ کہکشاں گذرے

ترے سکوت سے ڈستے ہیں موت کے سائے
تو مُسکرا ! کہ ذرا زیست کا گماں گذرے

کبھی خلوص کی صورت کبھی بہ شکل وفا
نہ جانے سر سے مرے کتنے امتحاں گذرے

وہ بات بات نہیں ہے وہ شعر شعر نہیں
سخن شناس پہ گوہر اگر گراں گذرے



کتابِ زیست کا اتنا متن ہے
خودی خود ہی شۂ سِرّ و علن ہے

یہ اپنا اپنا اندازِ سخن ہے
تمھارا لکھنؤ میرا دکن ہے

یہی گر ارتقائے علم و فن ہے
یہ دانائی نہیں دیوانہ پن ہے

جنوں کے دائرہ میں دفن کردو
خرد کی لاش بے گور و کفن ہے

مرا اللہ ہے بس میری جانب
تمھاری انجمن کی انجمن ہے

سنبھل کر آؤ میری زندگی میں
یہ پھولوں کا نہیں کانٹوں کا بن ہے

ملیں گے سرمد و منصور گو ہر
رہِ اُلفت، رہِ دار و رسن ہے